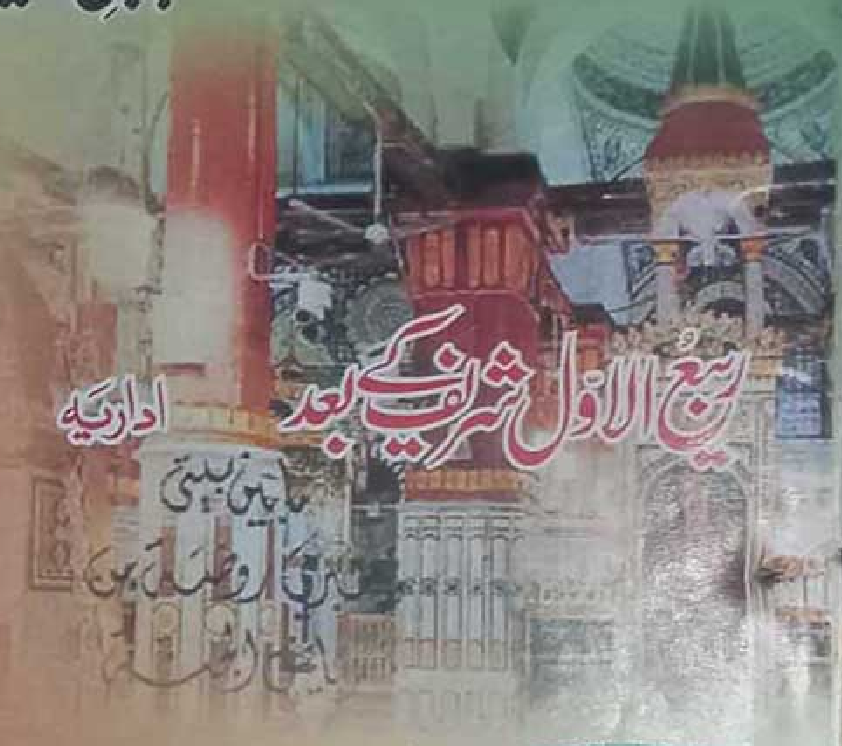
ماہنامہ
الحقیقہ
پاکستان
مجلہ
مئی 2007



نعت رحمۃ للعالمین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بزبانِ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

خدائے ذوالجلال کی معرفت



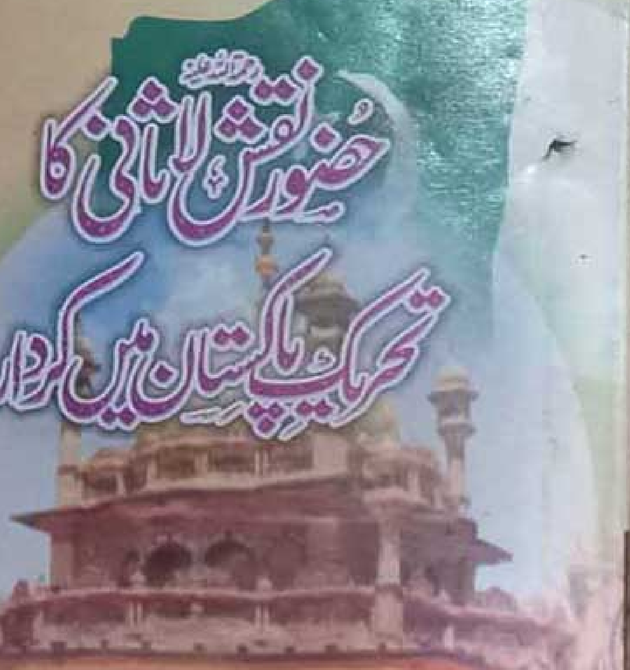
ربیع الاول شریف کے بعد
اداریہ

سورج الٹے پاؤں پلٹے

معرفت خودی



حضورِ نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریک پاکستان میں کردار



......نہیں اُن کا کوئی کرم بھی اُدھورا......

نہیں ان کا کوئی کرم بھی ادھورا
فقیروں کا وہ ساتھ دیتے ہیں پورا
بجھے گی میری تشنگی روزِ محشر
پلائیں گے جب وہ شراباً طهوراً
ذرا سوچیے ان کی شانِ سیادت
جو یحییٰ ہوئے سیداً و حصورا
وہی اپنا قائد ، وہی اپنا آقا!
جو کالا ہے ان کی غلامی میں پورا
وفا کر ، وفا کر شہِ دوسرا سے
نہ بن ان کے اعدا کا بچہ جمورا
ارے ہو نہ ان کی محبت سے باغی
نہ کر دین و ملت کو تو چورا چورا
اگر کوئی گورا ہوا ان کا منکر
وہ کتا ہے یا ریچھ ہے کوئی بھورا
خدا کی قسم! پھوڑ دو اس کی آنکھیں
تصور میں جو اُن کے بندوں کو گھورا
میں پڑھتا ہوا نعت دنیا سے جاؤں
ہو جب عمر کا مولا پیمانہ پورا
جو آسی رہی شیخ کی نظر رحمت
تو پالوں گا میں جنۃ و قصوراً

۸ ربیع الاول شریف ۱۴۲۵ھ ۲۹ اپریل ۲۰۰۴ء

علمبردارِ دینِ حق کی عظیم تحریک شیرانِ اسلام کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ الحقیقہ پاکستان

ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مئی سنہ 2007 جلد نمبر 7 شمارہ نمبر 6

یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم

اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو

شیخِ طریقت حضور مفکرِ اسلام

پروفیسر محمد حسین آسی

زیرِ سرپرستی محمد عطاء الحق نقشبندی حسینی

نگران: حاجی عبدالرزاق

مدیر اعلیٰ: شجاعت علی مجاہد

ممنون احمد آسوی حسینی

شمس الدین نقشبندی

الحاج شوکت علی

مجلسِ مشاورت

سید صابر حسین شاہ بخاری ✿ صاحبزادہ نور المصطفیٰ رضوی

علامہ شفقات احمد نقشبندی ✿ ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

محمد رضاء الدین صدیقی ✿ حاجی اخلاق احمد نقشبندی

مشیرِ قانون: محمد اکبر چوہدری ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

کمپوزر: محمد اکرام محمد ناظم

فہرست

1	ربیع الاول شریف کے بعد	اداریہ	2
2	اتحادِ ملت کی ضرورت وصورت	حضور مفکرِ اسلام	5
3	نعت رحمۃ للعلمین ﷺ	محققِ دوراں حافظ نصر اللہ آسوی	11
4	معرفتِ خودی	حضور مفکرِ اسلام	18
5	سورج الٹے پاؤں پلٹے	حضور مفکرِ اسلام	26
6	تصوف کی ضرورت و اہمیت	حضور مفکرِ اسلام	30
7	خدائے ذوالجلال کی معرفت	حضور مفکرِ اسلام	35
8	حضور نقشِ لاثانی کا تحریکِ پاکستان میں کردار	حضور مفکرِ اسلام	41
9	آقا ﷺ کے میلادی	علامہ سعید محمد عامر نقشبندی	46

زرِ تعاون

پاکستان فی پرچہ -/15 روپے سالانہ

بذریعہ ڈاک -/150 فی پرچہ سالانہ چندہ

یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	3 ریال	30 ریال

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی انچارج دفتر الحقیقہ نقشِ لاثانی نگر شکرگڑھ 0542-451737

پبلشر محمد عطاء الحق نے الحمد پرنٹرز داتا دربار مارکیٹ سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلہ الحقیقہ نقشِ لاثانی نگر شکرگڑھ فون 0542-451734 نارووال سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یونس - ۶۳

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمة الحقیقه **اداریه**

ربیع الاول شریف کے بعد......؟

بحمدہ تعالیٰ ربیع الاول شریف آیا........اور پھر نورانی ساعتوں کے ساتھ گزر گیا........عالم اسلام نغمہ ہائے میلاد سے گونجتا رہا اور شہروں، قصبوں اور بستیوں میں خوب چہل پہل رہی........ ہر روز روز عید تھا ہر شب شب برات........ بالخصوص حضور خواجہ عالم، سرور اکرم، نبی اعظم ﷺ کی ولادت باسعادت کا روز سعید خصوصی اہتمام سے منایا گیا........ریڈیو اور ٹیلیویژن پر حمد ونعت کا چرچا رہا اور قومی اخبارات نے میلاد ایڈیشن شائع کئے......شہروں بلکہ گاؤں میں بھی جلوس نکالے گئے........ جھنڈیوں سے کوچہ و بازار سجائے گئے........ چراغاں کر کے مذہبی ....سرکاری ونجی عمارات کی آرائش کو چار چاند لگائے گئے۔

یہ تمام انتظامات دراصل اس عقیدت کے مختلف مظاہر ہیں........ جو امت مرحومہ کو اپنے ولی ووالی اپنے آقا ومولا........اپنے نبی و رسول حضور سید عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے ہے........بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس زمانے میں انسانی ذہن پر مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے........مگر ۱۲ ربیع الاول شریف کو اس نقطہ نظر کی غلطی واضح ہو جاتی ہے........اس دن کی تیاری میں جو جوش وخروش........ جو ارادت وعقیدت اور جو الفت ومحبت نظر آتی ہے........ وہ وابستگی دل کے بغیر کیونکر ممکن ہے........ہم نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے آرائشی پروگراموں کی تکمیل میں راتوں کو جاگتے دیکھا ہے........آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ

خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

سوال ہے کہ کیا محبت کے جمیع تقاضے ایک یا چند دنوں کی ہنگامی کارروائیوں سے پورے ہو جاتے ہیں؟........ کیا ان جلسوں جلوسوں اور تقریبوں کے علاوہ ہم پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا؟........ کیا یوم میلاد کی برکتیں صرف چند ساعتوں تک محدود ہیں یا اس سے پوری زندگی فیض یاب ہو سکتی ہے........ حقیقت یہ ہے کہ اس دن ایک عظیم اور لازوال جذبہ ہمارے اندر موجزن ہو جانا چاہئے........ جو کہیں رکنے اور تھمنے والا نہ ہو، یہ دن اس مقصد حیات اور لاجواب فکری وعملی انقلاب کی یاد تازہ کرتا ہے........ جس سے ہمیں ہمارے آقا ومولا، خدا کے عظیم ترین اور آخری پیغمبر نے روشناس کرایا........ مختصر یہ کہ اگر ہم بارہ ربیع الاول شریف کا دن سچے دل اور پورے شعور سے منائیں تو ہماری زندگی اور افکار واطوار کا نقشہ

بدل جانا چاہئے .... اگر ہم حضور سرور دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے واقعی خوش ہیں تو آپ کا نصب العین بھی ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے .... اگر اس دن سنگ وخشت کی عمارات پر چراغاں کا اہتمام ضروری ہے......... تو ہمارے خانہ دل میں بھی کوئی چراغاں روشن ہونا چاہئے .... اگر ہم جھنڈے لہرالہرا جشن میلاد میں حصہ لیتے ہیں .... تو ہمارے فکر ونظر پر بھی اسلام کا علم لہرانا چاہئے .... اگر اس روز بازاروں اور گلی کوچوں کی صفائی اور زیبائی ضروری ہے......... تو ہمارے اندر کی دنیا اس سے محروم کیوں رہے۔

یہ دن امت مسلمہ کو جذبہ عشق رسول ﷺ کے مرکز پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتا ہے......... مگر ہم پھر بھی انتشار کا شکار ہیں۔
یہ دن خواب غفلت کے ماروں کو بیداری کا پیغام دیتا ہے......... مگر ہم پھر بھی اس سے کوئی سبق نہیں سیکھتے .... یہ دن جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہمیں کفر کے مقابلے میں کھڑا کرنا چاہتا ہے......... مگر ہم اس کی آواز پر کان نہیں دھرتے

وائے بر ما، وائے بر احوال ما

وطن عزیز اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا......... اور اس طرح اس کی حیثیت ایک مسجد کی سی ہے......... مگر افسوس! عموماً یہاں وہ لوگ حکمران رہے......... جو اس کے بنیادی نظریے پر تہہ دل سے یقین نہیں رکھتے تھے......... اور اس کے تقدس سے بیخبر تھے......... ان کی مجرمانہ غفلت اور غدار پرور طرز عمل نے اسلام دشمن سازشوں کو پروان چڑھنے دیا......... نتیجہ یہ نکلا کہ تخریب کاروں، زر پرستوں، ضمیر فروشوں اور کفر نوازوں کی ایک ایسی لابی تیار ہوگئی......... جو وطن عزیز کی سالمیت وبقاء کیلئے شدید خطرہ ہے......... بڑے شہروں کو ویتنام بنانے کی کوششیں تیز ہو رہی ہیں......... مختلف شہروں اور قصبوں میں دھماکے ہو رہے ہیں......... اور اس طرح کتنی قیمتی جانیں تلف ہو رہی ہیں۔

غلامان مصطفیٰ ملک کو ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے......... اور ہمت جرأت سے وطن عزیز کا دفاع کرنا چاہئے......... یاد رہے کہ اس دفاع کی بنیاد بھی وہی ہے......... جو اس کے قیام کی (بنیاد) تھی۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا ہوا ملک اسلام کے نام پر ہی مستحکم ہو سکتا ہے......... اور اس کی صورت یہ ہے کہ جلد از جلد یہاں نظام مصطفوی (ﷺ) رائج ونافذ کر دینا چاہئے .... ہاں ہاں بھارتی حکومت سے تعلقات جوڑنا اتنا ضروری نہیں جتنا پاکستان میں اسلامی نفاذ۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ جس دوٹوک انداز میں نظام اسلام کی بات کرتے تھے .... کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے وارثوں کو بھی اسی مومنانہ فراست وجرأت کا ثبوت دینا چاہئے .... مسلم دشمنوں کے حضور عقیدت خم کرنے کی بجائے انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر دم لینا چاہئے .... وہ لوگ جو قومیت اسلامی کی بجائے صوبائی، نسلی اور لسانی تعصبات کو ہوا دے رہے ہیں......... باغی ہیں اور کسی رورعایت کے مستحق نہیں......... اگر ملک کے سربراہ چندگنتی کے غداروں کو کچھ نہیں کر سکتے .... تو ان سے وطن کی جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

قوم جس جذبہ وجوش کا مظاہرہ ۱۲ ربیع الاول شریف کو کرتی ہے......... اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اسلام کے فرزندوں اور وطن کے بہی خواہوں کو یکجا منظم کرنا چاہئے .... وہ نوجوان جن کے سینے میں ملک وملت کی محبت موجود ہے......... میچوں، تماشوں اور وی سی آر کے شوق آوارہ میں اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہیں......... جس ملت کو رضائے خدا اور رضائے رسول ﷺ میں گم ہونا چاہئے .... لہو ولعب میں گم ہو رہی ہے......... دفتروں، تعلیمی اداروں اور گھروں میں کام کاج چھوڑ کر کمنٹری سننے کا شوق بڑھتا جارہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قوم کی فکری وعملی تربیت کی سب سے بڑی ذمہ داری حکومت پر ہی عائد ہوتی ہے......... مگر پھر بھی باقی قوم کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا......... وہ مشائخ جنہوں نے پاکستان بنایا......... وہ علما جو ملت کے سچے رہنما ہیں......... وہ سیاسی لیڈر جو ملک

سے وفاداری کو جزوایمان سمجھتے ہیں..........وہ اساتذہ جو واقعی معماران قوم ہیں..........وہ طلباء جن کے شباب کا عنوان خدمت ملک وملت ہے ....سب کو اپنے اپنے دائرہ کار میں سرگرم ہو جانا چاہئے..........اور عید میلاد النبی ﷺ کے اولین تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر وطن عزیز کو نظام مصطفٰے کا گہوارہ بنانے کی کوششیں تیز تر کر دینی چاہئیں

یہ دامن ہے، یہ ہے گریباں، آؤ کوئی کام کریں!
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

......﴿بڑی گیارہویں شریف﴾......

اپنے محسنوں کی یاد منانا انسان کا فطری تقاضا ہے چنانچہ ہر زندہ قوم اپنے اسلاف کا دن مناتی آئی ہے ملت اسلامیہ میں میلاد شریف یا کسی عرس شریف کا اہتمام اسی جذبے کی عملی شکل ہے (یعنی حضور خواجۂ کل سید عالم ﷺ کے ذکر خیر کی محفل ہوتو اسے عموماً مولود شریف یا میلاد شریف کہتے ہیں اور بزرگان دین کا دن منایا جائے تو عرس شریف کہلاتا ہے ہندوؤں کی سوسائٹی میں اسے برسی اور انگریزوں کے ہاں برتھ ڈے وغیرہ کہتے ہیں حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تمام اولیا، اصفیا، اقطاب، اغیاث، اوتاد اور افراد کے سردار ہیں اور بزرگوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ

غوث اعظم درمیان اولیا چوں محمد ﷺ درمیان انبیاء

آپ کے عرس مبارک کا خاص نام گیارہویں شریف ہے اور جس کثرت واہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہے کسی بزرگ کا دن نہیں منایا جاتا حسن اتفاق دیکھئے امام الانبیا ﷺ کا مہینہ ربیع الاول ہے اور امام الاولیاء کا ربیع الآخر (یعنی تیسرا اور چوتھا درمیان میں کوئی اور نہیں پھر حضور خیر الوریٰ ﷺ کا دن بارھویں اور حضور غوث الوریٰ کا دن، گیارہویں)

آپ کے عرس مبارک کو گیارہویں شریف اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کی تاریخ وفات ۱۱ ربیع الآخر شریف ہے نیز اسلئے کہ برصغیر کی مسلم حکومتیں اپنے ملازمین کو تنخواہ ہر چاند ماہ کی دس تاریخ کو دیتی تھیں مسلمان ملازمین حصول برکت کیلئے سب سے پہلے حضور سیدالانبیاء ﷺ اور حضور سیدالاولیاء غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی بارگاہ میں نذرانہ ثواب پیش کرتے تھے چونکہ آنے والی رات گیارہویں ہوتی تھیں اس لئے آپ کے ختم شریف کا نام گیارہویں شریف مشہور ہوگیا۔

غیر ملکی آقاؤں نے اپنے محکوم عوام کے عقائد کو کمزور کرنا چاہا تو سب سے زیادہ ان رسموں پر وار کیا، جو ان کی مذہبی پہچان بن گئی تھیں چنانچہ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں ؎

کہاں کے مسلم، کہاں کے ہندو، بھلائی ہیں سب نے اگلی رسمیں
عقیدے سب کے ہیں تین تیرہ، نہ گیارہویں ہے نہ اشٹمی ہے

آج ہم آزاد ہیں اور اپنا ملی تشخص زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ایسے تمام کام پورے اہتمام سے سرانجام دینے چاہئیں جو ہمارے بزرگان دین کی یادگاریں ہیں، بالخصوص میلاد شریف اور گیارہویں شریف۔ ۱۱ ربیع الاول شریف، جیسا کہ مذکور ہوا، حضور غوث پاک کی تاریخ وصال ہے اس لئے اس دن کی گیارہویں بڑی گیارہویں شریف کہلاتی ہے۔

......☆......

اتحاد ملت

کی ضرورت و صورت

قسط: 6

حضور مفکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی
علیہ الرحمہ

دیکھا آپ نے ملت کو اتحاد کی کس حد تک ضرورت ہے اور یار لوگوں نے اتحاد ملت کی بنیاد کو ہی جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکنے کی کوششِ ناپاک کیلئے اپنے ناپاک زندگی کے ایک ایک ناپاک لمحے کو وقف کر دینے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے۔ ہاں ہاں ملت کے استحکام کا سوال تو پیدا بعد میں ہوگا پہلا اور سب سے اہم مرحلہ ہے ملت کی تشکیل کا اور یہ ہے مرہون منت نسبت نبوت کی، مفکر پاکستان حضرت حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
وز رسالت درتن ما جاں دمید
حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرع موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار ما یک است
جزو ما از جزو ما لا ینفک است

ان اشعار کا سیدھا سادھا مفہوم کچھ یوں ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارا جسم پیدا فرمایا تو رسالت جان کی طرح اس میں پھونک دی، چنانچہ ہم اس دنیا میں ایک ایسے حرف کی طرح تھے جو کہ آواز سے محروم ہو اور کسی صورت اس کا تلفظ ہی نہ بنتا ہو، پھر کیا ہوا، رسالت کی برکت سے ہم الفاظ ہی نہیں بن گئے بلکہ وزن مصرع بن گئے۔ (گویا جس طرح مصرع میں الفاظ منظّم شکل میں آکر وزن مصرع بن جاتے ہیں یہی ہمارا حال ہوا) رسالت سے ہی جہاں میں ہماری ہستی وجود ہے، اسی سے ہمارا دین اور ہمارا آئین ہے۔ یہ رسالت کی برکت ہے کہ ہمارا ایک لاکھ بھی ایک ہی ہوتا ہے اور ہمارا ایک ایک فرد ایک دوسرے سے اس طرح ملا ہوا ہے کہ جدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اپنے افکار کی مزید وضاحت فرماتے ہیں، ان پر جو کتاب نازل ہوئی مومن کے دل کیلئے وہ سراپا قوت ہے اور جو حکمت نازل ہوئی ملت کی شہ رگ ہے

ان کا دامن ہاتھ سے دینا تری موت ہے اور پھول باد خزاں سے مرجھا جانے کی طرح ہے، یہ شعر خصوصیت سے قابل غور ہے۔

فرد از حق ملت از وے زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است

یعنی فرد حق سے زندہ رہتا ہے تو ملت کی زندگی نسبت نبوت سے ہے اور اس ملت کی ساری چمک دمک کا انحصار اسی سورج یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہے۔

اس کے بعد حضرت اقبال علیہ الرحمۃ نے فلسفۂ ختم نبوت بیان فرمایا ان کے نزدیک ملت اسلامیہ ہمیشہ متحد و یکجان رکھنے کیلئے رب تعالیٰ نے ہمارے رسول پاک ﷺ کو آخری نبی اور ہماری قوم کو آخری قوم بنایا ہے، فرماتے ہیں۔

تا نہ ایں وحدت زد ست مار ود
ہستی ما با ابد ہمدم شود
پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

(تا کہ یہ وحدت کا رشتہ ہمارے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے اور ہماری ملی زندگی ہمیشہ برقرار رہے، اس لئے خدا نے ہم پر شریعت اور ہمارے رسول ﷺ پر نبوت ختم کر دی)۔

یہ ہے عاشق رسول حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے نزدیک منصب نبوت کی اہمیت کہ ملت کی تشکیل اسی سے ممکن ہے، اسے ہمیشہ کیلئے دنیا میں زندہ اور متحد و منظم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق اللہ کے پیارے حبیب ﷺ سے وابستہ رکھا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے نبی پر ختم نبوت کا اور خود اس کے سر پر ختم اقوام کا تاج رکھا جائے، اس کے برعکس دار العلوم دیو بند کے مشہور و معروف بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نزدیک جو حضور ﷺ کو خاتم النبین قرآن پاک میں فرمایا گیا، اس میں کوئی فضیلت کی بات نہیں، انھیں خود بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ساری امت مسلمہ میں اس سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں کہی (مگر اس کے باوجود وہ بدعتی بھی نہیں ہیں) خود ہی انصاف فرمایئے جو بات قرآن پاک میں بھی نہیں آئی اور جلیل القدر صحابہ کرام وائمہ اہل بیت رضی اللہ عنھم کے باوجود کسی کے منہ سے نہیں نکلی اور ان کے بعد کسی کا رجحان بھی اس کی طرف نہیں ہوا، وہ امت مسلمہ کے حق میں کس قدر مفید ہو سکتی ہے اور فی نفسہ کتنی سچی اور یقینی ہو سکتی ہے۔

مگر یار لوگوں کا یہ معیار ہی کب تھا کہ وہی بات کی جائے جو امت مسلمہ کے حق میں مفید ہو اور وہی فکر دی جائے جو اس کے لئے کام کی ہو۔ ہاں اگر ان کے پیش نظر کوئی معیار تھا بھی تو وہ یہی تھا کہ بات وہی کی جائے جو انتشار پھیلانے والی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ایسی بات کی ہی کیوں جاتی جس کے بارے میں خود بھی سو فیصد اطمینان ہے کہ امت میں اس سے پہلے یہ بات کبھی نہیں کی گئی اور جب یہ بات کہی جائے گی تو ایک طرف خدا اور خدا کا رسول ﷺ ہے، سارے اہل بیت ہیں، سب کے سب صحابہ کرام ہیں، تابعین ہیں، تبع تابعین، ائمہ محدثین ہیں، فقہا و مفسرین ہیں، صوفیائے کاملین ہیں بلکہ مختصر یہ کہ ساری امت ہے اور دوسری طرف صرف ایک شخص جسے خود

بھی اپنی فکری تنہائی کا احساس ہے۔ میں نے ایک بار ایک منکر حدیث سے پوچھا جو پرویز کا مقلد تھا کہ تمھارے نزدیک جب پرویز سے پہلے قرآن پاک کو سمجھ ہی نہیں سکا تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن پاک پہلے نازل ہوا اور اس کی سمجھ چودہ سو سال بعد نازل ہوئی۔ خود سوچئے یہ سوچ کتنی معقول ہے۔ اب دیانتداری سے کوئی شخص یہ بات ایک لمحے کے لئے بھی سوچ سکتا ہے کہ اکلوتی بات کرنے والا شخص قوم میں اتحاد و اتفاق کا خواہاں ہے؟ مگر سوچنے والوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ آخر یہ سوچ کسی شخص کے ذہن میں اسی وقت کیوں پیدا ہوئی جب اس سے پہلے انگریزوں کے منحوس قدم اس سرزمین برصغیر میں آ چکے تھے۔ ایک طرف ملت اسلامیہ کی تاریخ کی گیارہ بارہ صدیاں اور دوسری طرف صرف ایک صدی۔ اور سوچنے کی بات ہی چل نکلی ہے تو یہ بات بھی سوچنا ہوگی کہ انگریزوں نے دو ایک باتیں اگلوائیں ہیں اور سب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ انگریزوں کی ہی سازش ہے۔ مگر اس سازش کی تفصیل کیا ہے اور کیا صورت حال صرف اتنی ہی تاریک ہے جتنی نظر آ رہی ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے، انگریزوں کی اسلام دشمن طبیعت نچلی بیٹھنے والی نہیں تھی۔ یقیناً انھوں نے ایک آدمی پر اکتفا نہیں کی۔ انھوں نے بہت سے لوگ خریدے اور اپنے ان تمام زرخرید بندوں کو مختلف ڈیوٹیاں سونپی گئیں۔ مثلاً اس واقعے کے اسی انکار ختم نبوت پر غور کر لیجئے۔ ایک سے خاتم النبیین کے معانی بدلوائے اور دوسرے کو نبوت کا دعویٰ کرنے کا کام سونپا گیا۔

اب جب دور حاضر میں ملت کے فرزندوں کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسی کو ملت کے تمام مسائل کا حل قرار دیا جاتا ہے تو کیا خلوص سے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ اب تک اس اتحاد ملت کو کس نے نقصان پہنچایا ہے اور نقصان پہنچانے والوں کے مقاصد کیا تھے اور اب ان سے گلوخلاصی کی کیا صورت ہے۔ جو لوگ اپنے غیر ملکی آقاؤں کی رضا پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے پر آمادہ ہو سکتے ہوں اور کفر و شرک کے سرغنوں پر اپنا دین و ایمان تک قربان کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہوں، ان کی یا ان کی اولاد کی موجودگی میں اتحاد ملت کی بیل کیونکر منڈھے چڑھ سکتی ہے اور قوم کیونکر متحد ہو سکتی ہے۔

پھر جو قوم اپنے نبی ﷺ سے ابھی غیر مشروط اور مکمل وابستگی کے مرحلے میں ہے، وہ تو ابھی قوم ہی نہیں بنی، تو اس سے اتحاد قومی کی بات کریں تو کس توقع پر۔ اور ایسی قوم سے نبی ﷺ کے غلاموں سے محبت و اخلاص کی توقع کیونکر؟ ہاں ہاں امت کے خیر خواہ تو وہی ہو سکتے ہیں جو اپنے نبی ﷺ کی سچی غلامی کے جذبے سے سرشار ہیں، جو تشکیل ملت کے پہلے مرحلے سے گزر چکے ہیں۔ جو اپنے نبی ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ﷺ اور ملت اسلامیہ کو آخری ملت سمجھتے ہیں۔ اور کسی قیمت پر بھی سرتابی پر تیار نہ ہوں۔ مگر یہ سب "معیار" کی باتیں ہیں، جہاں معیار ہی کوئی نہ ہو، ان کی کیا بات؟۔

دیکھنے کو تو "دیوبند" اور "قادیان" دو مختلف یا متضاد تحریکیں نظر آتی ہیں۔ لیکن دونوں تحریکوں کے بانی اگر خاتم النبیین کے معانی پر متفق اور متحد ہوں تو اختلاف کس حد تک رہ جاتا ہے۔ اور تضاد کی کون سی صورت کو آپ تضاد کہہ سکتے ہیں۔ اگر دونوں کا استدلالی مقابلہ کیا جائے تو شائد یہ کہنا پڑے کہ خاتم النبیین کی ترکیب کو اجماعی اور معروف معنی سے ہٹانے کے لئے دیوبند کی "قربانیاں" زیادہ پرانی اور زیادہ مدلل ہیں۔ چونکہ مولانا محمد قاسم اسی رسالہ تحذیر الناس میں اپنا فیصلہ دے چکے ہیں کہ "تقدم و تاخر زمانی میں کوئی فضیلت کی بات نہیں" لہٰذا اب دیوبند کے "تقدم" کی بات نہیں چھیڑتے۔ یعنی نانوتوی صاحب اگر تقدم کے حق میں فضیلت کا فیصلہ فرما چکے ہوتے تو مرزا قادیانی پر انھیں قرآن پاک میں تحریف معنوی کرنے پر "تفوق و فضیلت" حاصل ہو جاتی۔ ان دو تحریکوں کا یہی اتحاد تھا جس کی طرف علامہ اقبال نے ایک جگہ مخصوص اشارہ فرمایا تھا۔

''قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابی کہا جاتا ہے'' (اقبال کے حضور تالیف سید نذیر نیازی۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء بار اول)

اس صورت حال میں قوم کے بہی خواہوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟ خوب غور وخوض کی بات ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ذمہ اتنا ہی کام تھا کہ دعویٰ نبوت کا راستہ ہموار کر جاتے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے پندرہ سولہ سال پہلے انھوں نے تحذیر الناس نامی کتاب شائع کر دی۔ جس میں اسی موضوع پر نکتہ آفرینی کی گئی تھی۔ ''ختم نبوت'' یعنی آخری نبی ہونا، یہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کی بات تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ ضروری صداقت نبوت کا عقیدہ ہے مولانا نانوتوی صاحب نے اس پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ جیسا کہ گذشتہ قسط میں کسی حد تک تفصیل سے گزر گیا۔ انھوں نے ''تصفیۃ العقائد'' میں نبی کے لئے سچا ہونا غیر ضروری قرار دیا۔ مرزا قادیانی کو ان دونوں چیزوں کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ خاتم النبین کا معنیٰ معروف بدل کر اس کا ترجمہ افضل النبین کر دیا۔ اب اس سے مولانا کو کیا فرق پڑتا ہے کہ اس سے بارہ سو سالہ تاریخ عقائد بدل جاتی ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں توحید اور تثلیث کے علاوہ ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہیں مانتے اور موجودہ انجیلوں میں بار بار حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر ناپاک حملے کئے گئے ہیں۔ مرزا قادیانی کا کردار بھی درست نہیں تھا اور پیشگوئیاں بھی غلط کرتا تھا۔ لہٰذا (معاذ اللہ) اس کی نبوت منوانے کے لئے ضروری تھا کہ یہ تصور بھی ذہن نشین کرا دیا جائے کہ انگریز جس شخص کی ''نبوت'' کا منصوبہ بنا رہے ہیں، اس کے بدکردار اور کاذب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گویا اس کا بدصورت ہونا تو مُسلّم سہی مگر وہ بدسیرت بھی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹ بولنا بلکہ صریح طور پر جھوٹ بولنا بھی اسے نقصان نہیں دیتا۔ آخر سچے رب کی دی ہوئی نبوت میں اور جھوٹے انگریزوں کی دی ہوئی نبوت میں فرق بلکہ تضاد ہونا ہی چاہئے۔ خدائے پاک کے پاک نبی کو خدائے پاک کا سچا اور پاک پیغام لانا تھا اور جھوٹوں کے تیار کردہ جھوٹے مدعی کو جھوٹا پیغام لانا تھا۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی یہ صراحت گزری کہ خداوند کریم ورحیم تمام انسانوں کو متحد ومنظم دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے حبیب رحیم وکریم ﷺ پر سلسلہ نبوت بند کر دیا تا کہ نہ دعویٰ نبوت ہو اور نہ اس سے انکار اور انتشار کا دروازہ کھلے۔ انگریز انسانیت کے دشمن ہیں، وہ ہر قیمت پر اس میں انتشار پھیلانا چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے اپنی طرف سے یہ سلسلہ جاری کر دیا اور ہوا پھر جو ہوا۔ چنانچہ مولانا احسن نانوتوی (دیوبندی) کے سوانح حیات مرتب کرنے والے پروفیسر ایوب قادری دیوبندی لکھتے ہیں۔

> ''اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی 'پامر' نے اس مدرسے کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں ''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے، وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے، وہ یہاں پر ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد معاون سرکار رہے۔''

فرمایئے اس گھر کی گواہی کے بعد مزید کس اطمینان کی ضرورت ہے۔ اس قسط کی ابتداء میں یہ وضاحت ہو چکی ہے۔ کہ جو لوگ اپنے سچے نبی ﷺ کی محبت سے خالی ہوں، ان سے امت کی خیر خواہی کی توقع رکھنا فضول ہے۔ چنانچہ انتشار پھیلتا رہا، عقیدے گھڑے جاتے رہے، لوگ مرکز نبوت سے پھر کر پگڈنڈیوں پر چل نکلے اور چند سالوں میں اتنے عقائد پیدا ہوئے کہ شائد ساری تاریخ اسلام میں

اسکی مثال نہیں ملتی۔ گذشتہ اور جدید اختلافات میں زیادہ فرق یہ تھا کہ پہلے کسی نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا انکار کیا اور دوسرا ردعمل کے طور پر اہل بیت اطہار علیہم الرضوان سے باغی ہوگیا۔ ایک قدری ہوا تو دوسرا جبری، مگر تن کے گورے اور من کے کالے انگریزوں کے دور میں جو اختلافات پیدا ہوئے عموماً ان کا رخ عظمت رسالت کی طرف تھا۔ مثلاً ختم نبوت کا معنی بدلنا، عصمت نبوت سے انکار۔ منکرین اطاعت نبوت کے جواب میں اہل حق ہمیشہ یہ دلیل دیتے تھے کہ نبی اس لئے واجب الاطاعت ہے کہ معصوم ہے، اب عصمت نبوت سے انکار کیا تو اطاعت نبوت سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ یوں ہی نبی کے علم غیب، حاضر و ناظر ہونا وغیرہ بھی عظمت و رفعت نبوت سے تعلق رکھنے والی باتیں تھیں۔ چنانچہ زیادہ تر نبی کی شان وشوکت کو ہی موضوع بحث ٹھہرالیا گیا۔ یہ اختلاف وانتشار بڑھتا گیا۔ اور فرقے دھڑا دھڑ پیدا ہوتے گئے۔ نبی سے خلوص نہیں تھا تو امت سے کیونکر ہوتا۔ پہلے انگریزوں کے ہاتھوں بکے تھے اور پھر ہندوؤں کے ہاتھوں فروخت ہوئے۔ دو ہی کام تھے بکنا اور بکنا۔ مثلاً گاندھی اسلام دشمن تھا، قائداعظم نے پہچانا، حکیم الامت نے پہچانا، مولانا ظفرعلی خان صاحب نے کچھ دیر بعد پہچان لیا مگر پہچانا تو فرمایا۔

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں، اک ساور کر، اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا اٹھتا طوفاں ہے، اک مکر کی چلتی آندھی ہے

اور حق یہ ہے کہ ان سے بھی پہلے مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہ نے پہچانا اور پہچاننے کا حق ادا کر دیا۔ وہ لوگ جو برصغیر ہندوپاک پر گہری نظر رکھتے ہیں، جانتے ہیں کہ انگریز اپنے راج پاٹ کے لئے مسلمانوں کو خطرناک سمجھتے تھے اور ان کا راستہ روکنے کے لئے ہندوؤں سے مل کر سازشیں کیا کرتے تھے، تو جس نے انگریزوں کو پہچان لیا، ہندوؤں کو بھی پہچان لیا اور جس نے انگریزوں کو نہ پہچانا، ہندوؤں کو بھی نہ پہچان سکا۔ اس میں کیا شک تھا کہ دونوں مسلمانوں کے دشمن تھے مگر ہندو زیادہ اور نسبتاً انگریز کم۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انگریزوں کی آمد ہو رہی تھی اور ان کا تسلط ابھی پورے طور پر نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں میں ''توحید'' کا مسئلہ چھڑ گیا۔ حالانکہ اس وقت اس پر کسی کو اختلاف ہی نہیں تھا۔ (مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو کمزور کر کے انگریزوں کو فائدہ پہنچایا جائے) اب ہندوؤں سے اتحاد کی باری تھی تو ہندو مشرکوں کو بھی برداشت کرلیا گیا۔ یعنی اب بھی مسلمانوں کو کمزور کرنا مقصود تھا۔ اور یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ گاندھی ہی مسلمانوں اور ہندوؤں کا واحد نمائندہ ہے۔ تاکہ قائداعظم کے برعکس گاندھی کو مضبوط کر کے قیام پاکستان کی راہ روکی جائے۔ اس سلسلے میں خدا کے واضح قرآنی ارشادات کو پس پشت ڈال کر ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ ہولناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔

ٹھنڈے دل سے سوچئے کیا پاکستان کا قیام ضروری تھا یا نہیں۔ وہ لوگ جو پاکستان کے حصول کی کوششیں کر رہے تھے، وہ ملت اسلامیہ کے فائدے کے لئے کر رہے تھے یا نقصان کے لئے۔ حضرت قائداعظم بار بار فرماتے تھے کہ پاکستان اسلام کی ایک تجربہ گاہ ہوگا۔ جس میں ہم دنیا بھر کے لوگوں کو اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ کرا سکیں گے۔ یعنی یہ دکھا سکیں گے کہ اسلام نے زندگی کے لئے جو اصول وضوابط اور قوانین عطا فرمائے ہیں، ان پر عمل کر کے اس دنیا میں بھی انسان کو جو رفعت وعظمت اور امن وعافیت میسر آتی ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں گویا کتاب وسنت کی حکمرانی ہوگی اور شریعت کا نظام نافذ ہوگا۔

حضرت قائداعظم نے گہری نظر سے ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا تھا جو گائے کا پیشاب پینے کے باوجود خود کو پاک اور باقی قوموں کو ناپاک سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی فکر اتنی تنگ وتاریک تھی کہ اپنے ہی ہم مذہب اور ہم وطن شودروں کو بھی ناپاک سمجھتے

تھے۔حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ زندگی گزارنا مسلمانوں کو ہی نہیں، دوسری سب قوموں کو بھی عذاب مسلسل کی حیثیت رکھتا تھا۔ابھی گذشتہ دنوں احمد آباد (گجرات) میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔آزادی ۱۹۴۷ء کے بعد بھارت میں اب تک ہزاروں مسلمان کش فسادات برپا ہو چکے ہیں اور کتنے ہی گرجوں اور دوسری قوموں کے معابد پر حملے کئے گئے ہیں۔

یہ ذہنیت قیام پاکستان پہلے بھی تھی بلکہ ہندو جب سے ہندو ہے اسی سوچ کا آئینہ دار رہا ہے۔اور ہندو اپنی گنجائش اور طاقت کے مطابق دوسری قوموں سے لڑتے ہی رہے ہیں۔ پھر اس قوم کا رہنما گاندھی انڈین نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم سے جب میدان سیاست میں کودا تو اس نے بظاہر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آزاد ہوئے تو کتاب وسنت کا نظام لایا جائے گا۔اس کی منزل مقصود صرف آزادی تھی۔کہاں کتاب وسنت کا نظام اور کہاں صرف آزادی۔اب وہ لوگ جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہتے تھے، قائداعظم کے بجائے اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے، آخر کیوں؟ پھر ایک اور بات اور بھی عجیب ہے۔قائداعظم اللہ کے فضل سے سچ بولتے تھے اور کسی کو دھوکا نہیں دیتے تھے، کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے، حق یہ ہے کہ ان کے اسی مومنانہ کردار سے، ان کی ہیبت مومنانہ سے سب لرزتے تھے۔اس کے بر عکس گاندھی بات بات پر مکرتا تھا۔وعدہ خلافی کرتا تھا اور دھوکا دیتا تھا،۔اس سے دھوکا کھانے کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہیں آتی کہ دھوکا کھانے والا دھوکا کھانے پر تلا ہوا ہو۔قائداعظم کی منزل مقصود بھی اعلیٰ اور کردار بھی اعلیٰ مگر گاندھی کی منزل مقصود بھی ناقص اور نیت بھی کھوٹی، اس کے باوجود اس سے وہ دھوکا کھائے جو خود کو شیخ الاسلام، شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث کہتا ہو؟ کیا کتاب وسنت میں اس کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ملتی، کیا عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، پھر گاندھی جس آزادی کو منزل مقصود ٹھہراتا تھا، وہ صرف ہندوؤں کی آزادی تھی، مسلمانوں کیلئے تو وہ غلامی کی بدترین صورت تھی۔ پھر گاندھی کی قربان گاہ پر قربان ہو کر پوری ملت اسلامیہ کو اس کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کرنے والے ملت کے خیر خواہ ہوئے یا دشمن، خوب غور کریں۔

دیو بند کے سپوت سوا چند ایک کے ابوالکلام آزاد کے ساتھ تھے اور آج بھی ان کا وسیع حلقہ، اس کا حلقہ بگوش ہے، یہ بد بخت مادر پدر آزاد جس نے بزعم خویش تفسیر قرآن بھی لکھی ہے، اس حد تک آگے نکل گیا تھا کہ نجات اخروی کیلئے رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا،۔ چنانچہ جامعہ ملیہ دہلی میں اس کا علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے شاگرد سید نذیر نیازی صاحب (مرحوم) سے مقابلہ ہوا انھوں نے اسے لاجواب کر دیا تو بکنے لگا، آپ مجھے خاموش کر سکتے ہیں، مطمئن نہیں،......اسی بد بخت نے کوئی اس قسم کی بات کی تھی کہ ایک مشرک پر دس مسلمانوں کو قربان کرتا ہوں تو فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا۔

آزاد مگرنہ تو بیشک مشرک
دہ مسلمے دہی پئے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردی
بر ناخن مسلمے فدالک مشرک

ترجمہ: تو بیشک مشرک تو ہے مگر آزاد نہیں ہے (اس لئے کہ) دس مسلمانوں کو ایک مشرک پر (معاذ اللہ) قربان کئے دیتا ہے۔اگر اسلام سے تجھے کچھ بھی واسطہ ہوتا تو ایک مسلمان کے ناخن پر لاکھ مشرکوں کو قربان کرتا۔

......☆......

نعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم به زبانِ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

محقق دوراں حافظ محمد نصر اللہ حسینی آسوتی (مدینہ شریف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام زین العابدین بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ **کی نعت**

اِنْ نِلْتَ يَا رَوْحَ الصَّبَا يَوْمًا اِلَى اَرْضِ الْحَرَمْ

بَلِّغْ سَلَامِيْ رَوْضَةً فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَرَمْ

اے بادِ صبا اگر تیرا گزر سرزمین حرم تک ہو تو میرا اسلام اس روضہ پر پہنچا جس میں نبی محترم تشریف فرما ہیں۔

مَنْ وَّجْهُهُ شَمْسُ الضُّحٰى مَنْ خَدُّهُ بَدْرُ الدُّجٰى

مَنْ ذَاتُهُ نُوْرُ الْهُدٰى مَنْ كَفُّهُ بَحْرُ الْهِمَمْ

وہ جن کا چہرۂ انور مہرِ نیمروز ہے اور جن کے رخسار تاباں ماہِ کامل ہیں جن کی ذات نورِ ہدایت ہے جن کی ہتھیلی سخاوت میں دریا۔

قُرْآنُهُ بُرْهَانُنَا نَسْخًا لِّاَدْيَانٍ مَّضَتْ

اِذْ جَاءَ نَا اَحْكَامُهُ كُلُّ الصُّحُفِ صَارَ الْعَدَمْ

اُن کا لایا ہوا قرآن ہمارے لئے واضح دلیل ہے جس نے ماضی کے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا جب اُس کے احکام ہمارے پاس آئے تو (پچھلے) سارے صحیفے معدوم ہو گئے۔

اَكْبَادُنَا مَجْرُوْحَةٌ مِّنْ سَيْفِ هِجْرِ الْمُصْطَفٰى

طُوْبٰى لِاَهْلِ بَلْدَةٍ فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَشَمْ

فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ہمارے جگر زخمی ہیں خوش نصیبی اُس شہر کے لوگوں کے لئے ہے جس میں نبی محتشم ہیں۔

يَا لَيْتَنِيْ كَمَنْ يَّتْبَعْ نَبِيًّا عَالِمًا

يَوْمًا وَّلَيْلًا دَائِمًا وَّارْزُقْ كَذَا لِيْ بِالْكَرَمْ

کاش میں اُس کی طرح ہوتا جو دن رات ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی علم کے ساتھ کرتا ہے (اے خدا) یہی صورت اپنے کرم سے عطا فرما۔

يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَنْتَ شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْنَ

اَكْرِمْ لَنَا يَوْمَ الْحَزِيْنَ فَضْلًا وَّجُوْدًا وَّالْكَرَمْ

اے رحمتِ عالم ﷺ آپ گنہگاروں کے شفیع ہیں ہمیں قیامت کے دن فضل وسخاوت اور کرم سے عزت بخشئے۔

يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ

مَحْبُوْسِ اَيْدِي الظَّالِمِيْنَ فِي الْمَوْكَبِ وَالْمُزْدَحَمْ

اے رحمتِ عالم ﷺ زین العابدین کو مدد فرمائیے وہ ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار حیرانی و پریشانی میں ہے۔

قصیدۃ نعمان:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور اُن سے روایات لی ہیں

(۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۲) عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ (۳) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (۴) معقل بن یسار رضی اللہ عنہ (۵) واثلۃ بن الأسقع رضی اللہ عنہ (۶) عائشہ بنت عجر د رضی اللہ عنہا ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے۔ (تبیض الصحیفہ ص:۲۲)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

(۱)

يَاسَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِداً　　　أَرْجُوْ رِضَاكَ وَاحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

اے سرداروں کے سردار ﷺ میں آپ کی خدمت عالیہ میں آپ ہی کا قصد کر کے حاضر ہوں۔ حضور کی خوشنودی اور رضا مندی کا امیدوار اور آپ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔

(۲)

وَاللّٰهِ يَاخَيْرَ الْخَلَائِقِ إِنَّ لِيْ　　　قَلْباً مَشُوْقاً لَايَرُوْمُ سِوَاكْ

اللہ کی قسم اے بہترین خلائق ﷺ میرے پہلو میں ایسا دل ہے جو آپ ہی کی محبت سے لبریز ہے اور آپ کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی کا طلبگار نہیں۔

(۳)

وَبِحَقِّ جَاهِكَ إِنَّنِي بِكَ مُغْرَم　　　وَاللّٰهِ يَعْلَمُ إِنَّنِي أَهْوَاكَ

آپ کی بزرگی اور بلند مرتبہ کی قسم میں آپ کا فریفتہ ہوں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں آپ کا شیدائی ہوں۔

(۴)

أَنْتَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ　　　كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ

آپ وہ ہیں کہ اگر آپ کی ذاتِ اقدس نہ ہوتی تو کوئی شخص پیدا نہ کیا جاتا بلکہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو جملہ کائنات ہی پیدا نہ ہوتی (یعنی آپ مقصودِ کائنات ہیں)

(۵)

أَنْتَ الَّذِي مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰى　　　وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَ

آپ وہ ہیں کہ چودھویں رات کے چاند نے روشنی کا لباس آپ کے نور سے پہنا اور سورج بھی آپ ﷺ کے نورِ حُسن سے روشن ہے۔

(۶)

أنْتَ الَّذِی لَمَّا تَوَسَّلَ آدَمُ　　مِنْ زَلَّةٍ فَازَ وَهُوَ أبَاكَ

آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے بارے میں آپ کو وسیلہ ٹھہرایا تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جد بزرگوار ہیں۔

(۷)

وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهُ　　بَرْداً وَ قَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ

اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو اُن کی آگ سرد ہوگئی اور آپ ﷺ کے جمال کے نور سے بجھ گئی۔

(۸)

وَدَعَاكَ أيُّوْبُ لِضُرٍّ مَّسَّهُ　فَأُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُ حِيْنَ دَعَاكَ

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اس مصیبت میں اور سختی میں آپ کو پکارا جو انہیں پہنچی تھی (یعنی آپ کے وسیلے سے دعا کی) پس جس وقت انہوں نے آپ ﷺ کو یاد کیا تو اُن کی مصیبت جاتی رہی

(۹)

وَبِكَ الْمَسِيْحُ أتٰی بَشِيْراً مُّخْبِراً بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحاً لِعُلاكَ

اور یہ آپ ہی کی ذات بابرکات ہے جن کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر خوشخبری دی۔ حضور کے حسن و جمال کے اوصاف بیان کئے اور آپ ﷺ کے علوشان و مرتبہ کی مدح سرائی کی۔

(۱۰)

وَ كَذَالِكَ مُوْسٰی لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلاً بِكَ فِی الْقِيَامَةِ يَحْتَمِیْ بِحِمَاكَ

اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ دنیا میں آپ کا وسیلہ اختیار کیا اور قیامت میں بھی آپ ﷺ کے ظلِ حمایت میں پناہ لیں گے۔

(۱۱)

وَالأنْبِيَاءُ وَكُلُّ خَلْقٍ فِی الْوَرٰی وَالرُّسُلُ وَالأمْلاكُ تَحْتَ لِوَاكَ

جملہ انبیاء و رسل اور ساری مخلوق، فرشتے اور سلاطین (قیامت کے دن) آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(۱۲)

لَكَ مُعْجِزَاتٌ أعْجَزَتْ كُلَّ وَفَضَائِلٌ جَلَّتْ فَلَيْسَ تُحَاكَ

آپ ﷺ کے ایسے معجزات ہیں جنھوں نے تمام مخلوق کو عاجز کر دیا اور ایسے فضائل جلیلہ ہیں جو بیان نہیں ہو سکتے۔

(۱۳)

نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّهِ لَكَ مُعْلِناً　وَالضَّبُّ قَدْ لَبَّاكَ حِيْنَ أتَاكَ

بکری کے شانہ نے علی الاعلان کہہ دیا کہ میں زہر آلود ہوں۔ اور گوہ جب حاضر ہوئی تو اُس نے لبیک کہی (اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی)۔

(۱۴)

وَالذِّئْبُ جَاءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ أتَتْ　بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَتَحْتَمِیْ بِحِمَاكَ

بھیڑیا، نیز ہرنی آپ ﷺ کی حمایت کے طالب اور آپ سے پناہ کے خواستگار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔

(۱۵)

وَكَذَا الْوُحُوْشُ أَتَتْ إِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ وَشَكَا الْبَعِيْرُ إِلَيْكَ حِيْنَ رَاكْ

اوراسی طرح وحشی جانور بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا اور اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کے پاس شکایت کی۔

(۱۶)

وَدَعَوْتَ أَشْجَاراً أَتَتْكَ مُطِيْعَةً وَسَعَتْ إِلَيْكَ مُجِيْبَةً لِنِدَاكْ

آپ ﷺ نے درختوں کو بلایا وہ سب کے سب فرمانبردار ہوکر حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی آواز مبارک کا جواب دینے کے لئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

(۱۷)

وَالْمَاءُ فَاضَ بِرَاحَتَيْكَ وَسَبَّحَتْ صُمُّ الْحَصٰى بِالْفَضْلِ فِي يُمْنَاكْ

اور پانی جاری ہوا آپ ﷺ کی (مبارک) ہتھیلیوں (یعنی انگلیوں) سے اور سخت کنکریوں نے آپ کے داہنے دست مبارک میں تسبیح کہی۔

(۱۸)

وَعَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِي الْوَرٰى وَالْجِذْعُ حَنَّ إِلٰى كَرِيْمِ لِقَاكْ

اور دنیا میں بادل نے صرف آپ ﷺ ہی پر سایہ کیا۔ اور کھجور کا تنا (ستون حنانہ) آپ ﷺ کی مقدس ملاقات کے لئے زار وقطار رونے لگا۔

(۱۹)

وَكَذَاكَ لا أَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرٰى وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكْ

اور اسی طرح آپ ﷺ کے چلنے کا نشان زمین پر نہ ہوتا تھا اور بسا اوقات آپ ﷺ کے قدم مبارک پتھر میں اُتر گئے۔

(۲۰)

وَشَفَيْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ أَمْرَاضِهٖ وَمَلَأْتَ كُلَّ الْأَرْضِ مِنْ جَدْوَاكْ

اور آپ ﷺ نے تمام مریضوں کو بیماریوں سے شفا عطا فرمائی۔ اور اپنی جود وسخا سے تمام روئے زمین کو بھر دیا۔

(۲۱)

وَرَدَدْتَّ عَيْنَ قَتَادَةٍ بَعْدَ الْعَمٰى وَابْنَ الْحُصَيْنِ شَفَيْتَهٗ بِشِفَاكْ

اور آپ ﷺ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ نابینا ہونے کے بعد پھیر دی (درست کر دی) اور ابن حصین رضی اللہ عنہ کو اپنے فضل وکرم سے بیماری سے شفا بخشی۔

(۲۲)

وَكَذَا خُبَيْباً وَابْنَ عَفْرَا بَعْدَ مَا جُرِحَا شَفَيْتَهُمَا بِلَمْسِ يَدَاكْ

اور اسی طرح جب حضرت خبیب اور ابن عفرا رضی اللہ عنہما زخمی ہوگئے۔ تو آپ نے اپنے دونوں (مبارک) ہاتھوں سے مس فرما کر ان کو اچھا کر دیا۔

(۲۳)

وَعَلِيًّانِ الْمُرْمَدَّ إِذْ دَاوَيْتَهٗ فِي خَيْبَرٍ فَشَفٰى بِطِيْبِ لَمَاكْ

خیبر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آشوبِ چشم کے مرض میں مبتلا تھے۔ جب آپ ﷺ نے اپنی گندم گوں لب کی خوشبو سے ان کا علاج فرمایا تو وہ شفایاب ہوگئے۔

(۲۴)

وَسَأَلْتَ رَبَّکَ فِی ابْنِ جَابِرِنِ الَّذِی قَدْ مَاتَ أَحْیَاهُ وَقَدْ أَرْضَاکَ

آپ ﷺ نے حضرت جابر کے لڑکوں کے حق میں اپنے پروردگار کی جناب میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو موت کے بعد زندہ کر کے آپ کو راضی کر دیا۔

(۲۵)

شَاةٌ مَّسَسْتَ لِأُمِّ مَعْبَدِنِ الَّتِیْ نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَا رُقْیَاکَ

اُمّ معبد کی بکری جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو مس کیا (چھوا) تو وہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے دودھاری (دودھ والی) ہوگئی۔

(۲۶)

وَدَعَوْتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّکَ مُعْلِناً فَانْهَلَّ قَطْرُالسُّحْبِ حِیْنَ دَعَاکَ

اور قحط کے برس آپ نے اعلانیہ اپنے رب سے دعا کی۔ پس آپ ﷺ کا دعا کرنا ہی تھا کہ مینہ برسنے لگا۔

(۲۷)

وَخَفَضْتَ دِیْنَ الْکُفْرِ یَا عَلَمَ الْهُدٰی وَرَفَعْتَ دِیْنَکَ فَاسْتَقَامَ هُدَاکَ

اے وہ ذات پاک جو ہدایت کا نشان ہے۔ آپ ﷺ نے ملتِ کفر کو پست کیا اور اپنے دین کو بلند کیا۔ پس آپ کی ہدایت مضبوط ہوگئی۔

(۲۸)

أَعْدَاکَ عَادُوْا فِی الْقَلِیْبِ بِجَهْلِهِمْ صَرْعٰی وَقَدْ حُرِمُوا الرِّضٰی بِجَفَاکَ

آپ کے دشمن اپنی نادانی کے باعث بچھڑ کر پرانے کنوئیں میں رہ گئے اور حضور ﷺ پر زیادتیاں اور جور و جفا کرنے کی وجہ سے آپ کی رحمت اور اللہ کی خوشنودی سے محروم رہ گئے۔ (جنگ بدر کے اُن مقتولین (کفار) کی طرف اشارہ ہے جنہیں گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا)

(۲۹)

هُوْدٌ وَّیُوْنُسُ مِنْ بَهَاکَ تَجَمَّلا وَجَمَالُ یُوْسُفَ مِنْ ضِیَاءِ سَنَاکَ

اور حضرت ہود اور یونس علیہما السلام نے بھی آپ ہی کے حسن سے زینت پائی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بھی آپ ﷺ ہی کے آفتابِ حُسن کی ضیا ہے۔

(۳۰)

فَقَدْ فُقْتَ یَا طٰهٰ جَمِیْعَ الْأَنْبِیَاءِ طُراً فَسُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَاکَ

یا طٰہٰ ﷺ! بلاشبہ آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے۔ پاک ہے وہ جس نے آپ کو شبِ معراج عالم بالا کی سیر کرائی۔

(۳۱)

وَاللهِ یَا یٰسِیْنُ مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ فِی الْعَالَمِیْنَ وَحَقِّ مَنْ أَنْبَاکَ

خدا کی قسم، اے یاسین (اے سردار) ﷺ! آپ کی مثل تمام مخلوق میں کوئی نہیں۔ اور میں اُس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپ کو بلندی عطا فرمائی۔

(۳۲)

عَنْ وَّصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِرُ　　　عَجَزُوْا وَ كَلُّوْ مِنْ صِفَاتِ عُلاكَ

اے پیارے مُدَّثِر (جھرمٹ مارنے والے) تمام شعراء آپ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے عاجز رہ گئے۔ آپ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔

(۳۳)

إِنْجِيْلُ عِيْسٰى قَدْ أَتٰى بِكَ مُخْبِراً　　　وَلَنَا الْكِتَابُ أَتٰى بِمَدْحِ حُلاكَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل اتری تو آپ کی خبر دیتی ہوئی آئی اور یہ قرآن بھی آپ کے حُلیہ مبارک کی مدح میں آیا ہے۔ (یعنی سارا قرآن حضور علیہ کی نعت ہے)۔

(۳۴)

مَاذَا يَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَمَا عَسٰى　　　أَنْ يَّجْمَعَ الْكُتَّابُ مِنْ مَّعْنَاكَ

آپ کے مدّاح آپ کی تعریف میں کیا کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ لکھنے والے آپ کی سیرت وصورت معنوی اور اوصاف حمیدہ سے کچھ تحریر میں لاسکیں۔

(۳۵)

وَاللهِ لَوْ أَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُهُمْ　　　وَالشُّعْبُ أَقْلامٌ جُعِلْنَ لِذَاكَ

(۳۶)

لَمْ يَقْدِرِ الثَّقَلانِ يَجْمَعُ نَزْرَهُ　　　أَبَداً وَّمَا اسْتَطَاعُوْا لَهُ إِدْرَاكَ

اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تمام سمندر روشنائی بنا دیئے جائیں اور تمام روئے زمین کے درخت قلم بنا دیئے جائیں۔
اور تمام گروہ جن وانس مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ بایں ہمہ آپ کے مکارم واوصافِ جمیلہ سے ایک ذرہ بھر بھی نہ لکھ سکیں۔ لکھنا تو درکنار اس کا ادراک بھی نہ کرسکیں۔

(۳۷)

يَا مَالِكِيْ كُنْ شَافِعِيْ فِي فَاقَتِيْ　　　إِنِّيْ فَقِيْرٌ فِي الْوَرىٰ لِغِنَاكَ

اے میرے مالک ومولا بحالتِ فقر میرے شفیع ہو جایئے کیونکہ ساری مخلوق میں آپ کی غنا کا سب سے زیادہ محتاج میں ہی ہوں۔

(۳۸)

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى　　　جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَارْضِنِيْ بِرِضَاكَ

اے تمام موجودات سے بزرگ ترین اے خزانہ مخلوقات مجھے اپنی بخشش وعطا سے نوازیئے اور اپنی رضامندی سے راضی کیجئے۔

(۳۹)

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ　　　لأَبِي حَنِيْفَةَ فِي الأَنَامِ سِوَاكَ

میں آپ علیہ کے جود وکرم کا دل سے طلب گار ہوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لئے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

(۴۰)

فَعَسَاكَ تَشْفَعُ فِيْهِ عِنْدَ حِسَابِهٖ　　　فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّكاً بِعُرَاكَ

امید ہے کہ اس کے حساب و کتاب کے وقت آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ اُس کے ہاتھوں میں آپ کا دامن ہے۔

(۴۱)

فَلَأَنْتَ أَكْرَمُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَمَنِ الْتَجٰى بِحِمَاكَ نَالَ رِضَاكَ

بلاشبہ آپ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) بزرگ ترین شافع اور مقبول الشفاعت ہیں اور جو آپ کی پناہ میں آ گیا اُس نے آپ کی خوشنودی کو پالیا۔

(۴۲)

فَاجْعَلْ قِرَاكَ شَفَاعَةً لِي فِي غَدٍ فَعَسٰى أُرٰى فِي الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاكَ

کل روزِ قیامت میرے لئے شفاعت کرنا اپنی مہمانی کیجئے پس قریب ہے کہ حشر میں مجھے آپ کے لواء الحمد کے زیر سایہ جگہ عنایت ہوگی۔

(۴۳)

صَلّٰى عَلَيْكَ اللهُ يَا عَلَمَ الْهُدٰى مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ إِلٰى مَثْوَاكَ

اے رحمت و ہدایت کے نشان! اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ پر درود شریف بھیجتا رہے (اپنی رحمتیں نازل فرماتا رہے) جب تک ایک مشتاق بھی آپ کے آستانہ عالیہ کی حاضری کا آرزومند رہے۔ (یعنی قیامت تک)

(۴۴)

وَعَلٰى أَصْحَابِكَ الْكِرَامِ جَمِيْعِهِمْ وَالتَّابِعِيْنَ وَكُلِّ مَنْ وَّالَاكَ

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو آپ کے تمام صحابہ کرام اور تابعین پر اور ہر اُس شخص پر جو آپ کو دوست رکھے۔

کل شعار (۵۳) ہیں اُن میں سے بعض میں نے نقل کئے ہیں۔

......دعوت غور و فکر......

خیال رہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نعت خوانی آج شروع ہوئی زمانہ صحابہ یا تابعین میں اس کا وجود نہ تھا وہ غلط فہمی کا شکار ہیں یا انہوں نے قرآن و حدیث و کتب سیرت کا غور سے مطالعہ نہیں کیا ورنہ وہ ایسا نہ کہتے یہ میں نے چند صحابہ کرام اور تابعین کی نعتیں بطور نمونہ لکھی ہیں ورنہ اگر محنت کی جائے تو کئی کتب تیار کی جا سکتی ہیں۔

حضور ﷺ کی نعت سیرت اور معجزات بیان کرنے کا نام میلاد ہے معلوم ہوا کہ میلاد النبی ﷺ منانا سنت صحابہ و تابعین ہے ان نعتوں میں صحابہ کرام نے اپنے عقائد کا اظہار بھی کیا ہے آج اہل سنت کے جن عقائد پر مناظروں اور بحثوں کا بازار گرم ہے اور جن عقائد اور اعمال کی وجہ اہل سنت کو مشرک اور بدعتی کہا جاتا ہے وہ تمام عقائد صحابہ کرام سے ثابت ہو رہے اگر یہ عقائد شرک و بدعت ہوتے تو صحابہ کرام کبھی نہ کہتے اور حضور ﷺ بھی ان عقائد کو سن خاموش رہتے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی شرک و بدعت سے روکنا اور توحید و سنت کی دعوت دینا ہے۔

جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب قرآن و حدیث ہے اور ہمارے عقائد صحابہ کرام جیسے ہیں اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان عقائد کو اپنائیں تاکہ اختلافات فرقہ واریت کا خاتمہ ہو اور اتحاد و اتفاق کی فضا ساز گار ہو

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا مؤمن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ (اقبال)

یہ کتاب ۴ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ بمطابق ۷ مارچ ۲۰۰۳ بروز جمعۃ المبارک اختتام پذیر ہوئی

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے وہ اس کو شرف قبولیت بخش کر اپنی رضا سے نواز دے اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اُن پر قلم پھیر دے اور اس کتاب کو میرے لئے صدقہ جاریہ بنا دے یا الٰہ العالمین بحق رحمۃ العالمین ﷺ اس کتاب کے مصنف مترجم مصحح، کمپوزر، ناشر، قارئین، محبین اور معاونین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور عذاب سے بچا اور دارین کی کامیابیاں اور سعادتیں ان کا مقدر فرما آمین یا رب العالمین

صلی اللہ و سلم علی نبینا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین برحمتك یا راحم الراحمین

معرفت خودی

تقریر: حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قل هو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار ولا فئدة ط قلیلا ما تشکرون (الملک۔ آیت۲۳)

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے:

رب تعالیٰ نے ہمیں دل عطا فرمایا، ذہن بخشا، عقل بخشی، شعور بخشا۔ یہ سب کچھ کس لئے ہے۔ ہم اپنے آپ پر غور کریں۔ ماحول پر غور کریں، اللہ کی نعمتوں پر غور کریں۔ اس کے کمالات قدرت پر غور کریں۔ ساری کائنات پر غور فرمائیں۔ یہ سورج کا نظام کیسا ہے۔

چاند کے فائدے کیا ہیں۔ اس بزم ہستی میں چاند کے کیا فائدے ہیں۔ پھر ان کی رفتار میں کیا حکمتیں ہیں، ستاروں کی محفل جو رات کو نظر آتی ہے کتنی حسین محفل ہے۔ ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح (الملک) رب فرماتا ہے آسمان دنیا کو ہم نے مصابیح (چراغوں) سے روشن کر دیا ہے۔ رات کو ذرا اٹھ کر دیکھو۔ ہر طرف قدرت خداوندی کی تجلیات ہیں۔ میلہ لگا ہوا ہے۔

یہ اونچے پہاڑ، یہ بے ستون آسمان، یہ بادو باراں کا نظام، ہوا، پانی، بارش، جنگلات، سمندر اس کی قدرت کیسی عظیم نشانیاں ہیں، وہ کتنا عظیم خدا ہے۔ جس نے ایسے بڑے بڑے سمندر بنائے اتنے اونچے اونچے پہاڑ بنائے۔ غور کریں، دیکھیں تو پھر ہر جگہ نئی سے نئی بات نظر آتی ہے۔ میر تقی میر کہتا ہے۔

سرسری تم جہان سے گزرے میر
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

کسی بات میں غور کر لیں، یہ جو سائنس میں اتنی ترقی ہوئی ہے، یہ غور کرنے سے ہی ہوئی ہے ناں۔ تجربے کرنے سے، غور کرنے سے۔ کس طرح اتنی طاقتیں اجاگر ہو رہی ہیں، ابھی بے شمار کائنات ایسی ہے جہاں تک سائنس کی توجہ ہی نہیں گئی جو ابھی سائنس کی پہنچ سے ہی باہر ہے تو مقصد یہ ہے کہ ہر طرف رب تعالیٰ کی تجلیات، رب تعالیٰ کی قدرت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں، اللہ اکبر۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

گلزار ہست وبود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

غور کر۔ اچھی طرح غور کر۔ **افلا یتدبرون ،لعلکم تفکرون** قرآن پاک میں کتنی ہی مرتبہ یہ لفظ آئے ہیں۔ تاکہ تم غور کرو تدبیر کو سوچو۔ اللہ نے تمہیں عقل اسی لئے عطا فرمائی ہے۔

یہ باہر کی تو ایک طرف ہے، اگر ہم خود پر غور کریں، اس مختصر سے قد میں اس پانچ چھے فٹ قد میں عجیب قسم کے قدرت کے کارنامے نظر آتے ہیں۔ یہ جسم سارے جہان کا خلاصہ ہے۔ اُسے عالم اکبر کہتے ہیں اسے عالم اصغر کہتے ہیں یہ جو کچھ باہر ہے سمندر، جنگل، ہوا، دریا، آسمان یہ سب عالم اکبر ہے بڑا جہان اور انسان جو پانچ چھے فٹ کا ہے عالم اصغر ہے لیکن اس عالم اصغر میں بھی اس ساری کائنات کا نمونہ ہے۔ صوفیا سے پوچھو۔ وہ کہتے ہیں انسان کا ماتھا میدانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ منہ میں دانت کانیں ہیں۔ سونے چاندی کی کانیں جواہر، لعل، یاقوت وغیرہ کی کانیں ہیں۔ ناک کے دو نتھنے، صوفیا فرماتے ہیں یہ غاریں ہیں۔ اس طرح انہوں یہ سارا نقشہ کھینچا ہے۔ انسان ساری کائنات کا خلاصہ ہے، ہم اتنی بات پر ہی غور کریں تو بہت کچھ نظر آتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **قل ھو الذی انشاکم جعل لکم السمع** اے پیارے محبوب فرما دو رب وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

وجعل لکم السمع والابصار والا فئدۃ

رب نے تمہیں کان دیئے آنکھیں دیں، تمہیں دل دیئے

قلیلا ماتشکرون ۔ تم بہت کم شکرادا کرتے ہو۔ یہ دل کی بیماری دل کے دورے، دل کا بڑھنا، دل کا گھٹنا تھوڑی سی مصیبت آجائے تو کیا صورت بنتی ہے۔ ہمارا احساس ہوتا ہے کہ مارے گئے۔ لاہور لے جاؤ، بائی پاس کراؤ، یہ کراؤ وہ کراؤ۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اور اگر مصیبت نہ آئے تو ساری عمر یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ ہمیں دل کی بیماری کیوں نہیں لگی کس نے نہیں لگائی۔ پھر اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ احساس ہوتا ہے تو تب جب اسے مصیبت آگئی۔ ڈاکٹر نہیں مل رہا۔ دل کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ گھر والے رونے لگ گئے ہیں پتہ نہیں کیا بننا ہے اور کئی دفعہ دورہ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ ادھر پڑا اور ادھر گیا۔ لیکن یہ احساس کب ہوتا ہے جب کوئی مصیبت آئے۔ آنکھیں کیسی نعمت ہیں۔ کتنا کام ہے ان کا، کتنی برکتیں ہیں ان کی یہ نعمتیں، یہ رحمتیں۔ یہ جو اللہ نے فضل فرمائے ہیں ہمیں ان کا کوئی احساس نہیں، جہاں مرضی آنکھیں لڑاؤ، جتنا مرضی ان کا غلط استعمال کرو۔ کوئی شرم نہیں آتی، کوئی حیا نہیں آتی۔ کوئی احساس نہیں۔ اور جب موتیا ہو جائے تو پھر ڈھونڈھنا ہے ڈاکٹر۔ پھر بھی اس بات پر غور نہیں کرنا کہ جس رب نے اب تک آنکھیں ٹھیک رکھی ہیں، اس رب کا بھی شکرادا کرنا چاہئے۔ جس رب کریم نے آج تک آنکھیں ٹھیک رکھی ہیں، ہم نے اس کا کیا شکرادا کیا ہے۔ اتنی قیمتی دولت اگر ضائع ہو جائے تو پھر اس کا حل ہی کوئی نہیں۔

یہ کانوں کا حال دیکھئے۔ کئی لوگوں کی قوت سماعت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ میرا اپنا ایک دوست ہے سیالکوٹ، اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرمائے، اس کی قوت سماعت بالکل ختم ہوگئی ہے۔ اور سوچو کہ خدانخواستہ آنکھیں بھی ختم ہو جائیں اور کانوں کی طاقت بھی ختم ہو جائے تو پھر۔ کیسی مہربانیاں ہیں اس کریم کی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ سالوں پہ سال گزرتے جا رہے ہیں مگر شیخ سعدی فرماتے ہیں

چہل سال عمر عزیزت گذشت

مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

تیری عمر کے چالیس سال گذر گئے ہیں لیکن تیری سوچ میں ابھی بچپنا ہی ہے۔ کوئی خاص اس میں پختگی نہیں آئی۔ تو مقصد یہ ہے کہ پھر غور کریں، کسی ڈاکٹر سے پوچھئے، یہ لینز جو لگواتے ہیں، آخر کیا فلسفہ ہے تو جس رب نے مفت ہی لینز عطا فرما دیئے، اندر خود ہی شیشے فٹ کر دیئے، اس رب کا کتنا احسان ہے۔ کتنی مہربانی ہے۔ تھوڑی سی تکلیف ہو جائے تو کتنے پیسے لگتے ہیں تو جس نے تکلیف ہونے ہی نہیں دی، اس رب کا ہم نے کیا شکرادا کیا ہے۔

قل ھو الذی انشا کم وجعل لکم السمع

سوچو رب نے کیسے کان بنائے ہیں۔ گوشت کی بوٹی منہ میں ہے تو بول رہی ہے اور گوشت کی بوٹی سن رہی ہے اور گوشت کی بوٹی دیکھ رہی

ہے۔**وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا** ۔ایک کان کہاں، آنکھ کہاں، ناک کہاں، پیر اور ہاتھ کہاں، اگر تم رب کی نعمتیں گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔اتنی بے شمار نعمتیں ہیں اس کریم کی۔عزتیں اسی نے عطا فرمائی ہیں اور سب سے بڑی بات ایمان عطا فرمایا، بڑے بڑے قابل لوگ تھے، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ دیکھے، بڑے بڑے ہوشیار، ہونہار لوگ لیکن ایمان کی دولت سے خالی ہیں۔چودہ صدیاں گذریں اور وہ گاؤں جہاں کوئی علم کی روشنی نہیں کوئی سکول نہیں، کوئی وہاں عالم دین نہیں، سفید اَن پڑھ۔اس سے پوچھو، رب ہے؟ کہتا ہے' ہے' یہ کس کا فیض ہے۔جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا۔یہ کس کی مہربانی ہے، اس رب کی جس نے اپنے پیارے محبوب پاک سرور کائنات ﷺ کے صدقے ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے۔یقین کی دولت عطا فرمائی ہے۔یہ سائنسدانوں کو حاصل نہیں، یہ بڑے بڑے فلسفیوں کو حاصل نہیں' یہ یقین کی دولت اللہ کا احسان ہے اور اس کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم۔میری بات کی سمجھ آ رہی ہے؟ میری باتیں ذرا مختلف ہوتی ہیں، عام علماء کرام سے۔سارے علما کرام میرے سر کا تاج ہیں۔میں سب کا خادم ہوں لیکن تھوڑا سا انداز مختلف ہے ناں۔میں 1964ء میں کالج میں پڑھتا تھا۔میرے استاد صاحب سات سال انگلینڈ میں رہ کر آئے تھے۔پڑھاتے پڑھاتے کہتے ہیں، دیکھو ابراہیم علیہ السلام کی سوچ کیسی سائنٹفک تھی۔انہوں نے دیکھا، ایک ستارہ روشن ہے کہنے لگے، یہ میرا رب ہے۔اور جب وہ غائب ہو گیا تو انہوں نے دلیل قائم کر لی، کہنے لگے یہ رب نہیں ہو سکتا، چاند کو دیکھا یہ ساتویں پارے میں واقعہ ہے ناں۔چمکدار تھا چاند۔کہنے لگے یہ میرا رب ہے اور چاند جب چھپ گیا تو کہنے لگے، نہیں نہیں یہ بھی میرا رب نہیں۔پھر سورج چڑھا، کہنے لگے یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔پھر وہ بھی گم ہو گیا، ڈوب گیا۔کہنے لگے میرا رب نہیں، میرا رب وہ ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔میں نے کہا، جناب آپ نے ترجمہ غلط کیا ہے۔قرآن پاک کی آیت ہے۔**ھذا ربی**

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ میرا رب ہے۔آپ نے فرمایا (کیا) یہ میرا رب ہے؟ یعنی قوم ستارے کو خدا مانتی تھی' قوم چاند کو خدا مانتی تھی، قوم سورج کو خدا مانتی تھی، جناب ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔اللہ کا نبی سب سے بڑا منطقی ہوتا ہے۔میں نے کہا' قوم کو سمجھانے کے لئے انہوں نے فرمایا (کیا) یہ ہے میرا رب؟

اس کو تم کہتے ہو خدا مانو؟ میں نہیں مانوں گا (جو ڈوب جاتا ہے) جب میں نے یہ بات کی تو پروفیسر صاحب کہنے لگے۔

تمہیں اس بات کا یقین ہے **Are you sure?**

میں نے کہا

I am quite sure

ہاں مجھے اس بات کا پوری طرح سے یقین ہے۔آپ کا ترجمہ غلط ہے اور ترجمہ اصل میں یہ ہے۔اللہ کا نبی ایک لمحے کے لیے بھی مشرک نہیں ہوتا۔اللہ کا نبی ایک لمحے کے لئے بھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، نبوت کا اعلان کر چکا ہو یا نہ کیا ہو۔ابتدا سے لے کر وہ گناہوں سے پوری طرح سے معصوم ہوتا ہے جب گناہ سے معصوم ہے تو پھر شرک سے معصوم کیوں نہیں اور کفر سے معصوم کیوں نہیں۔نبی کا علم اس طرح استدلالی نہیں ہوتا جس طرح سائنسدان یا کسی اور کا۔نبی پڑھا پڑھایا لکھا لکھایا آتا ہے، نبی سب کو جانتا ہے، وہ عالم ارواح کا واقعہ ہے ناں **واذاخذاللہ میثاق النبیین**. لوگ یہاں آ کر مولوی بنتے ہیں۔یہاں آ کر عالم بنتے ہیں۔یہاں آ کر مجسٹریٹ بنتے ہیں پڑھ لکھ کر۔اور اللہ کے نبی عالم ارواح میں بھی نبی تھے۔

واذاخذاللہ میثاق النبیین. اور یاد کرو محبوب اس واقعے کو جب اللہ نے نبیوں سے عہد کیا۔(وہ وہاں بھی نبی تھے) (جب میں نے یہ سب کہا تو) پھر انہوں نے میرا اس بات پر مذاق اڑایا۔اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے۔دیکھو، میں سات سال انگلینڈ میں رہا ہوں۔وہاں جب کسی کو پوچھتے ہیں ناں.two and two make four کیا دو اور دو چار ہوتے ہیں۔تو جواب دیتے ہیں۔may be ہو سکتا ہے۔

یعنی بے یقینی کی ایسی کیفیت ہے کہ کسی بات پر بھی ان کو یقین نہیں ہے۔سائنس کے عروۂ وثقیٰ پر پہنچنے کے باوجود،سائنس کے چوٹی پر پہنچنے کے باوجود بے یقینی کا یہ حال ہے کہ دواور دواس معنیٰ میں بھی ان کو شبہ ہے کہ پتہ نہیں دواور دو چار ہوتے ہیں۔ہوسکتا ہے چار ہوتے ہوں۔اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ علم کی دلیل ہے۔اللہ اکبر۔ایک بہت بڑا فلسفی ہوا ہے۔کانٹ اس کا نام تھا۔جرمنی کا رہنے والا تھا۔

جس طرح علامہ اقبال کا فلسفہ ہے خودی،اس طرح اس کے فلسفہ کا مفہوم یہ ہے،وہ کہتا ہے۔

We can,t find out the idea of things.

ہم چیزوں کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔

ساری عمر تحقیق کی،سب سے بڑا فلسفی ہے وہ اور سب سے بڑا فلسفی یہ کہہ رہا ہے کہ ہمیں کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔یہ جہالت ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا۔

انجام خرد ہے بے حضوری

جتنی مرضی عقل دوڑاؤ اس طریقے سے ایمان سے خالی ہو کر،دامن نبوت کو چھوڑ کر عقل کے جتنے گھوڑے دوڑاؤ،نتیجہ کیا ہے

انجام خرد ہے بے حضوری

ہے فلسفہ زندگی سے دوری

انسان کو تسکین نہیں مل سکتی،سکون نہیں آسکتا۔یہ سکون،یہ تسکین یہ یقین یہ صدقہ ہے محمد عربی ﷺ کا۔یہ صدقہ ہے ایمان کامل کا۔کسی نے پوچھا علامہ اقبال سے،عقل کی انتہا کیا ہے؟ فرمانے لگے،حیرت۔اس نے کہا عشق کی انتہا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا،عشق کی انتہا نہیں ہوتی،وہ کہنے لگا،آپ نے تو خود کہا ہے۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں،اقبال نے کہا،دوسرا مصرعہ نہیں پڑھا،میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں،یہ تو میری بیوقوفی ہے،عشق کی انتہا نہیں ہوتی،عشق کیا ہے؟ایمان۔عشق کیا،ہے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت۔

ذرا خیال فرمائیے،ایک بندہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں ڈوب جاتا ہے۔کبھی غور کر کے آپ دیکھیں،کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں ڈوبنے والا اللہ سے غافل ہوسکتا ہے،سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔وہ اللہ سے غافل نہیں ہوسکتا۔کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اللہ کی شان میں کوئی بے ادبی کرسکتا ہے۔ہرگز نہیں کرسکتا۔محبوب کریم ﷺ کا ہولڈ اس پر ایسا ہوتا ہے۔حضور کے عشق و محبت کا سایہ ہوتا ہے۔حضور کی محبت اس کو جکڑ لیتی ہے۔عرفان،ایمان کے دروازے کھل جاتے ہیں جب محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے،بات میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ ہماری زندگی گزرتی جارہی ہے چالیس سال کے ہو گئے ہوش نہ آیا۔پچاس سال کے ہو گئے ہوش نہ آیا ساٹھ سال کے ہو گئے ہوش نہ آیا اور آخر کار قبر میں ہماری ٹانگیں پہنچ گئیں لیکن اس بات کا احساس نہ ہوا کہ ہمیں کس نے بھیجا ہے۔ہمیں کیوں بھیجا ہے۔

ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے،اور جو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیتے ہیں۔پھر کوئی غریب نواز بنتا ہے،کوئی گنج بخش ہجویری بنتا ہے کوئی مجدد الف ثانی بنتا ہے۔کوئی غوث اعظم بنتا ہے(علیہم الرحمۃ)یہ کون لوگ ہیں،جنہوں نے محبوب کریم علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ وفا کی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔اللہ کے پیارے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ کی۔اللہ کے پیارے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض سے ان کے سینے روشن ہوئے۔اور پھر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ستاروں پر کمندیں ڈالیں جنہوں نے زمین و آسمان پر حکومت کی،اور جو اپنے اللہ کی قدرتوں کے مظہر بن گئے بظاہر یہ عام انسان ہیں،دیکھنے میں صرف انسان ہیں لیکن جب محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی برکت سے ان کا تعلق اپنے اللہ سے ہو گیا پھر عام انسانوں سے یہ بہت بلند تر ہو گئے۔اور ہماری حالت کیا ہے۔ہماری زندگی ویران،ہماری

سوچیں ویران، ہمارے اوپر حرص وہوس کا قبضہ، ہماری آنکھیں بند، ہمارے کان بند، **قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والا بصار والافئدۃ** ذرا خیال فرمایئے! ان بندوں نے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ لَو لگا کر کس طرح زمین وآسمان پر حکومت کی ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جو فرمایا وبھم یرزقون اولیا اللہ کی بات کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا

وبھم یر زقون . ان اللہ والوں کے صدقے میں دوسرں کو رزق دیا جاتا ہے

وبھم ینصرون ۔ان کے صدقے میں دوسروں کی مدد کی جاتی ہے۔

فتح نازل ہوتی ہے تو اللہ والوں کے صدقے سے۔ قوموں کو عزت ووقار ملتا ہے تو اللہ والوں کے صدقے سے۔ یہ اللہ والے ہیں جو اللہ کی تقدیر کے مظہر ہو جاتے ہیں۔

وبھم یمطرون ان کے صدقے سے بارش ہوتی ہے۔

ایک منوں شاہ صاحب ہوئے ہیں بڑے بزرگ تھے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب یہاں آیا کرتے تھے ڈاکٹر قمر تابش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے وہ مشائخ میں سے تھے، بڑے عظیم تھے یعنی ان کے پیر صاحب جو تھے ان کے وہ پیر تھے۔ منوں شاہ صاحب بہت عظیم، نیم مجذوب تھے وہ۔ اللہ اکبر۔ ایک دفعہ بازار میں سے گزر رہے تھے ایک ہندو جوتشی نجومی بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک شخص اس سے پوچھ رہا تھا اپنا حساب لگاؤ، نجوم کا حساب لگاؤ اور بتاؤ کہ بارش کب ہوگی۔ وہ کہہ رہا تھا بارش نہ تو آج ہوگی نہ پرسوں تو حضرت منوں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے وہیں اس موقع پر فرمانے لگے یہ کیا جانے بارش کب ہوگی یہ کیا جانے بارش کب ہوگی۔ یہ کیا جانے وہ لو اٹھی برکھا وہ آئی برکھا، وہ آئی برکھا اور ہاتھ جب اس طرح کر کے یہاں گئے ہیں تو قطرے شروع ہو گئے، بارش شروع ہوگئی۔

بندہ اپنے آپ پر غور کرے۔ سوچے، تنہائی میں سوچے۔ انگلی کو دیکھے۔ اس کے پوروں پر غور کریں کہ کیسی شکلیں ہیں اس کی۔ اس میں خون کے چلنے کا نظام کیسا ہے۔

تو ایک ایک بات دامن دل کو کھینچتی ہے۔ ایک ایک بات انسان کو دعوت غور وفکر دیتی ہے اپنے سارے جسم پر غور کریں۔ کھانے کا نظام، پھر کھانے کے باہر جانے کا نظام کسی ایک بات پر غور کرے۔ اس کریم کی کیسی مشینیں ہیں۔

وھو اللطیف الخبیر :وہ کیسا باریک بین ہے۔ وہ ہمارا رب اور ہمارا حال یہ ہے کہ محبوب کریم علیہ التحیۃ والثناء کی غلامی میں آکر بھی ہم نے اس کی قدر نہیں کی۔ اپنے ایمان کی قدر نہیں کی۔ کبھی ہم نے یہ سوچا ہی نہیں ہے کہ ہمیں یہاں سے جانا ہے (استاد سے) لڑکا پوچھتا ہے کہ جناب یہ بتائیں کہ امتحان میں سوال کون کون سا آئے گا۔ استاد صاحب کہتے ہیں کہ نہیں یہ بات میں نہیں بتاؤں گا۔ اگر یہ بتا دیا جائے تو پھر امتحان کیسا رہا۔ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پر قربان جائیں۔ پہلا امتحان جو عالم برزخ میں ہوگا اس کے سوال بھی بتا دیئے۔ ہماری نالائقی دیکھو ہمیں معلوم ہے سوال یہ آئیں گے پوچھا ہم سے یہ جائے گا لیکن کبھی ہم نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی۔

تو عزیزان گرامی قدر! میرے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ جن کا ماہ مبارک ہے یہ اور ماہ مبارک کا یہ آخری جمعہ ہے حضور (غوث پاک) دنیا سے شریف لے گئے کتنا عرصہ ہوا۔ آج ان کا ذکر ایک ایک (ہر) زبان پر کیوں ہے۔ آج ان کی دہائی مچی ہوئی ہے اور یہ جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

وبھم یمطرون وبھم یرزقون وبھم ینصرون

آج بھی حضور غوث پاک کے فیوض وبرکات دیکھیں تو نبی پاک ﷺ کی یہ حدیث پورے مفہوم کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔

۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میں نے اس کو پڑھا ارشادات الصوفیا میں اور لکھنے والے تھے مفسر قرآن مولانا نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ جو میرے پیر و مر

شد کے استاد بھی تھے۔اور حضور شہنشاہ لاثانی کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ علاقہ پسرور میں ایک گاؤں میں معزز ہندو خاندان تھے ہندوؤں کا ایک معزز خاندان تھا۔ ان کی جوان بیٹی کو کوئی حاجت ہوئی لیکن وہ کسی کو بتا نہیں سکتی تھی گھر والوں کو بھی نہیں، کسی اور کو بھی نہیں۔ مسجد کے مولوی صاحب کے پاس آئی کہنے لگی حضرت میں کچھ مجبور ہوں۔ مہربانی فرمایئے اور مجھے میری پریشانی کا حل بتایئے مولانا فرمانے لگے، رات کو جب تو اپنے بستر کی طرف جاتی ہے تو منہ دھولیا کرو اور بغداد شریف کی طرف کر کے چند دفعہ کہا کر یا غوث اعظم المدد۔ اس نے مولوی صاحب کی ہدایت پر عمل کیا یا غوث اعظم المدد۔ یا غوث اعظم المدد چند دن یہ وظیفہ کیا، اللہ نے مہربانی کر دی کام اس کا بن گیا۔ لیکن اس وظیفے کے ساتھ اس کو ایسا سکون ملتا تھا کہ کام کے ہونے کے بعد بھی اس نے یہ وظیفہ نہیں چھوڑا۔ ایک دفعہ رات کو ایک نہایت ہی نورانی بزرگ تشریف لائے کہنے لگے تو مسلمان ہو جا۔ کہنے لگی آپ کون ہیں فرمانے لگے جس کو تو ہر روز یاد کرتی ہے۔ میں وہی ہوں، میں عبدالقادر جیلانی جس کو لوگ غوث اعظم کہتے ہیں وہی ہوں تو جو میرا نام لیتی ہے میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے روز بھی تیری مدد کروں لیکن اس کے لئے ایمان شرط ہے۔ تیری شفاعت نہیں ہو سکتی جب تک تو ایمان قبول نہ کرے

اس نے کہا ٹھیک ہے ہو جاؤں گی۔ جب صبح اٹھی۔ والدین سامنے ہیں، بھائی سامنے ہے۔ خاندان کا عزو وقار سامنے ہے۔ جرات نہیں ہوئی مسلمان ہونے کی۔ دوسرے دن پھر آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا تو نے وعدہ کیا تھا مسلمان ہونے کا، کیوں نہیں ہوئی کہنے لگی صبح ضرور ہو جاؤں گی، اگلے دن پھر وہ مسلمان نہیں ہوئی ڈر گئی۔ والدین سے ماحول سے، رشتہ داروں سے اور یہ لوگ بڑے متعصب تھے، مار بھی دیتے تھے، اپنی اولاد کو، تیسری رات حضور غوث پاک تشریف لائے تو ہاتھ میں تلوار لے کر خواب میں تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا تو نہیں مسلمان ہونا چاہتی، میں تجھے ماروں گا۔ تجھے ماردوں گا۔ کہنے لگی آج مجھے آخری چانس عنایت کر دیں، میں صبح مسلمان ضرور ہو جاؤں گی۔ وہ انہی مولوی صاحب کے پاس گئی۔ اور مسلمان ہو گئی اور کہا اس طریقے سے وہ نام جو آپ نے بتایا تھا مہربان ہیں۔ مجھے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تم نے میرا نام جو لیا ہے

لجپال پریت نوں توڑدے نئیں
جدھی بانہہ پھڑدے پھر چھوڑدے نئیں

مولوی صاحب کہنے لگے ٹھیک ہے کلمہ پڑھا دیتا ہوں لیکن فی الحال ظاہر نہ کروا پنے آپ کو جس دن جمعہ ہو گا یہاں کئی دیہات کے لوگ آئیں گے۔ ان کے سامنے آکر کہنا کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں اور پھر کسی طالب علم کے ساتھ تمہارا نکاح بھی کر دیا جائے گا، چنانچہ اس طریقے سے وہ مسلمان ہوئی، نکاح کر دیا گیا اب اس کے بعد یہ صورت حال تھی کہ جو بیمار اس کے پاس آتا، کسی مصیبت میں گرفتار اس کے پاس آتا۔ وہ گلاس پانی کا لیتی اس پر اس طرح کہتی یا غوث اعظم المدد۔ اللہ مہربانی فرما دیتا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے وعدہ فرمایا **وبھم ینصرون** ان کے صدقے سے تمہاری امداد کی جائے گی، اللہ کے نبی کا وعدہ اللہ کا وعدہ ہے حضور نے فرمایا، ان کے صدقے سے تمہیں رزق ملے گا۔ یہ حضور ہی کا فرمان نہیں رب کا بھی فرمان ہے۔

میں علی پور شریف میں حاضر تھا۔ ہمارے دربار شریف میں اس زمانے میں ایک بابا جی ہوتے تھے، شیر محمد وہ تعویذ لکھا کرتے تھے۔ میں نے یہ واقعہ سنایا تو کہنے لگے ہاں میں جانتا ہوں ان کو اس خاتون کو بھی جانتا ہوں اس کے گاؤں کو بھی جانتا ہوں۔ مقصد یہ ہے عرض کرنے کا کہ یہ ہیں اللہ والے جن کا فیض اب تک جاری ہے، اور جو آج تک بھی صرف ہماری نگاہوں سے چھپے ہوئے ہیں، قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ تھے، ان کے پاس گئے، گاندھی بھی ان کو ملا کرتا تھا۔ نہرو بھی ان کے پاس جاتا تھا، نہرو ایک دفعہ کہنے لگا کہ آپ محمد علی جناح کو سمجھائیں وہ ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے، کہتا ہے پاکستان بنانا ہے۔ وہ فرمانے لگے میں بھی یہی کہتا ہوں پاکستان بننا چاہئے اور تمہاری بات ہم نہیں مانیں گے۔ تو محمد علی جناح آپ کے پاس گئے کہنے لگے جناب مہربانی کیجئے، یہ بتایئے پاکستان بن جائے گا کہ نہیں

آپ فرمانے لگے خواجہ غلام محمد صاحب کہ پاکستان بنے گا اور تمہارے ذریعے سے بنے گا، انہوں نے کہا حضور کیسے؟ فرمایا میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے خواب میں وہ تمہارے سر پر پگڑی باندھ رہے تھے اور تھوڑا سا ایک پیچ ڈھیلا ہو گیا تو پھر حضور ﷺ نے کس کر باندھا۔ اور یہاں سے میں نے اندازہ لگالیا کہ پاکستان بنے گا۔ پاکستان کے بارے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے لوگوں کو مبارک باد بھی دی اشارہ بھی کیا۔ مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۴۶ء میں ان کی خواب میں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ یہ بہت بڑے پیر تھے، بہت بڑے شاعر تھے، اور بہت بڑے سیاسی لیڈر تھے حضرت مولانا فضل الحسن حسرت موہانی تو حضور ﷺ نے فرمایا حسرت مبارک ہو پاکستان بن گیا ہے۔ یہ ایک سال پہلے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں بات عرض کرنے لگا تھا کہ قائداعظم کے پاس ایک صاحب آتے تھے۔ اور وہ جو تھے، ان کے بارے میں قائداعظم کا تصور یہ تھا، غوث پاک کے نمائندے ہیں اور غوث پاک کا حکم لے کر آتے ہیں۔

اللہ کے پیارے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے نائب، اولیا اللہ کے سردار، قطبوں کے قطب، غوثوں کے غوث، بادشاہوں کے بادشاہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ باقاعدہ ہدایات بھیجا کرتے تھے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات آپ نے سنی۔ آپ نے فرمایا ہمارا بھی ایک دن گذر ہوا حضور غوث پاک کی بارگاہ میں اور کسطرح گزر ہوا جس طرح جھاڑو دینے والا بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے اور پھر کیا ہوا غوث پاک نے ہمیں اپنا مرید بنالیا۔ آج بھی غوث پاک کا فیض جاری ہے آج بھی مجدد الف ثانی کا فیض جاری ہے اللہ کے فضل وکرم سے کوئی ان کے مزارات پر حاضری دے، اس کو معلوم ہو جائے گا۔ آج بھی ان کی حکومت ہے۔ ہمارے ڈاکٹر قمر تابش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم دوستوں کے ساتھ جا رہے تھے کویت سے بغداد کی طرف تو میرا خیال یہ تھا کہ ایک روزہ وہاں رکھنا ہے، حضور غوث پاک کے مزار پر۔ کہتے ہیں جب ہم بغداد شریف کے پاس آئے تو ریڈیو پر اعلان ہو گیا کہ عید کا چاند نکل آیا ہے اور صبح عید ہو گی کہتے ہیں میں بڑا پریشان ہوا۔ میں نے عرض کی، حضور میں تو یہاں روزہ رکھنا چاہتا تھا، میں تو بڑی خواہش کے ساتھ آیا تھا کہ میں آپ کے دربار میں ایک روزہ رکھوں گا۔ یہ کیا بن گیا کہتے ہیں میں بس اسی فکر میں تھا کہ چند لمحوں کے بعد ریڈیو پر دوسرا اعلان ہو گیا۔ کہ جو پہلی خبر تھی غلط نکلی ہے۔ صبح رمضان شریف کا تیسواں روزہ ہے اور عید پرسوں ہو گی۔ اس طرح حکومت ہے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی۔ کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے وارث ہیں۔ سچے نائب ہیں تو ایک ہم ہیں کہ غوث پاک کا نام لیتے ہیں لیکن غوث پاک کی شرم ہمارے اندر نہیں گئی۔ غوث پاک کا نام لیتے ہیں لیکن غوث پاک کے اخلاق کا کوئی پہلو ہمارے اندر نہیں ہے۔ غوث پاک کا نام لیتے ہیں لیکن غوث پاک کی سیرت کا کوئی جلوہ ہمارے اندر نہیں۔ اس بات کا افسوس ہے۔ اور یہی حال ہمارے کلمے کا ہے۔ کلمہ پڑھتے ہیں لیکن کلمہ کا اثر دل پر نہیں ہے

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　　دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کیوں شیر پنجاب۔ (جامعہ مسجد گلزار مدینہ کے موذن کو آپ نے شیر پنجاب کا لقب دے رکھا تھا۔ پچھلے دنوں یہ وفات پا گئے ہیں)

ہمارا کلمہ ہماری توحید، ہم سے بیزار ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے، تو میں نے پہلے عرض کیا تھا ناں کہ بعض لوگ اس پر بڑے خوش ہیں کہ جب مسلمانوں کے اوپر کوئی مصیبت آتی ہے ناں تو بعض اسلام کے دشمن خوش ہوتے ہیں کہتے ہیں خدا نے ان کی مدد کی؟ ان کا دین سچا ہے تو کیا اللہ نے ان کی مدد کی؟ اس طرح کہتے ہیں دہریئے۔ بے ایمان دہریئے ان کے نزدیک سب کچھ سائنس کے پاس ہے۔ سب کچھ آلات جنگ ہیں۔

کیا اللہ نے مدد کی؟ وہ یہ کہتے ہیں اور جو ہمارے کلمہ پڑھنے والے ہیں ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کیا غوث پاک نے مدد کی؟ بڑے خوش ہوتے ہیں اس بات پر بغلیں بجاتے ہیں، مسلمانوں کی تباہی سے ان کو کوئی غرض نہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جہاں مزارات ڈھائے جا رہے ہیں وہاں مسجدیں بھی ڈھائی جا رہی ہیں جہاں مسلمان ذبح ہو رہے ہیں وہاں قرآن پاک کی توہین بھی کی جا رہی ہے اللہ کے کلام کے ورق پھاڑے جا رہے ہیں وہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن انکو صرف ایک ہی کام ہے غوث پاک نے مدد کی؟ غوث پاک نے مدد کی؟ پچھلے دنوں میں نے ایک صاحب سے کہا، ایمانداری کے ساتھ بتاؤ، کیا کبھی صدام حسین نے غوث پاک سے مدد مانگی؟ کیا کبھی حضور کے روضے پر حاضر ہوا؟ کیا کبھی اس نے

توبہ کی۔ بغداد شریف کا نقشہ جو اس کے دور میں ہوا ہے کیا یہ نقشہ حضور ﷺ کے غلاموں کا نقشہ ہے کہ سبزی کی دکان پر شراب بک رہی ہے۔ گوشت کی دکان پر شراب بک رہی ہے اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، ایک صاحب چشم دید گواہ ہیں جو وہاں سے ہو کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا، میں بڑے بڑے ملکوں میں پھرا ہوں لیکن بغداد میں اور عراق میں شام کے وقت شراب پینے والوں کا جتنا رش (خصوصا) بغداد کے ہوٹلوں میں ہوتا تھا کہیں میں نے نہیں دیکھا۔ یورپ میں کہیں میں نے نہیں دیکھا کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ میں یہ بات اس لئے بھی کر رہا ہوں کہ خدانخواستہ ثم خدانخواستہ ایک گروپ ایسا ہے جس نے پہلے غیروں کی شہ پر مسلمان عرب ملکوں کے اندر بے حیائی پھیلائی۔ اور اسی تدبیر کے مطابق وہ پاکستان کے اندر اپنا کام کر رہے ہیں یہ این جی اوز، نامحرم مرد، نامحرم جواں لڑکیاں ہمارے گھروں میں آرہی ہیں، ہمارے سکولوں میں آرہی ہیں اور اس طرح پھر رہے ہیں یہ اس طرح کیوں ہے اللہ بچائے۔ شراب، عام ہو رہی ہے اور پھر بعد میں کہیں کہ اللہ نے مدد نہیں کی۔ اللہ کا تو غضب نازل ہوگا یا وہ مدد کرے گا۔ آپ اپنے نبی ﷺ کی شرم رکھیں۔ تو پھر صورتحال بدل سکتی ہے اب اجتماعی طور پر توبہ کرنے کی ضرورت ہے ہمارے حکمران جو ہیں وہ کس طریقے سے ذلیل ہو رہے ہیں۔ اور اس بے حیا شیطان بش کے قدموں میں بیٹھنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں جو اسلام کو مٹانے کے درپے ہے تو مقصد یہ ہے عرض کرنے کا، یہ صورتحال عجیب ہے اور افسوسناک ہے۔ ایک حدیث پاک میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں

اعما لکم عمالکم تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں یعنی جس طرح تمہارے اعمال ہوں گے تمہارے اعمال کی سزا کی ایک صورت یہ ہے کہ تمہارے حاکم ایسے بنا دیئے جائیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ   حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

تم کیا کر رہے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ قوم کے نوجوان نہایت غلط ڈگر پر چلائے جا رہے ہیں۔ قوم کو معاشی میدان میں کتنی ضرورت ہے محنت کرنے کی۔ اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ کھیل کے میدان اٹے ہوئے ہیں اور نوجوانوں کو دن کے وقت کھیلنا اور ہو سکتا ہے یہی نوجوان رات کو ڈاکے کا پروگرام بنا رہے ہوں۔ چھ چھ سات سات آٹھ آٹھ دس دس چھوٹی عمر کے نوجوان، یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ تو عزیزان گرامی قدر! اللہ کی بارگاہ میں رو رو کر دعا کریں۔ جس کو رونا آئے وہ اسلام کی موجودہ حالت پر روئے **من کان باکیا فلیبک علی الاسلام**

جو رونا چاہے اسلام کی موجودہ حالت پر روئے اپنی حالت پر روئے کہ میرا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے، اپنے ملک کی حالت پر روئے۔ یہ بات منہ سے نکالنا بڑی آسان ہے یہ بزرگوں نے مدد کیوں نہیں کی۔ ذرا یہ بھی سوچو ناں، بزرگ کس کی مدد کریں ڈھاکے کا سقوط دو دفعہ ہوا ہے ایک دفعہ پہلے بھی ڈھاکے پر قبضہ کیا گیا تھا اور وہاں خون کی ندیاں بہائی گئی ہیں۔ ہلاکو خان نے حملہ کیا تھا ایک وہ دور تھا اور کہتے ہیں جب مسلمانوں کی اور کافروں کی فوجیں لڑ رہی تھیں تو غیب سے آواز آرہی تھی۔

انصروا الکفار علی الفجار

ان فاجروں، گناہ گاروں کے مقابلے میں، ان بے حیا مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی امداد کرو۔

یعنی قدرت یہ سزا دینا چاہتی تھی۔ یہ نسل مٹ جائے پھر اس کے بعد دوسری نسل آئے جو اسلام کو سنبھالے اور پھر کیا ہوا اللہ کی قدرت دیکھیں جس ہلاکو خاں نے بغداد کو گویا تہس نہس کیا تھا اسی ہلاکو کی اولاد مسلمان ہوگئی اور تقریباً آٹھ سو سال تک انہوں نے اسلام کی پاسبانی کی۔ اللہ اکبر

ہے عیاں یورش تار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بت خانے سے لوگ نکلے اور پھر انہوں نے اسلام کی پاسبانی کی ہے رب تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، سمجھنے کی توبہ کرنے کی، اپنے اعمال پر رونے کی

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

......☆......

سورج الٹے پاؤں پلٹے

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

چند سال پہلے ایک برادر طریقت نے سپاہ صحابہ کے ترجمان ماہنامہ خلافت راشدہ کا شمارہ بابت ماہ اکتوبر ارسال کیا۔اس میں ایک مضمون کا عنوان ہے

''کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سورج لوٹا تھا''

اور رسالہ بھیجنے والے بھائی کی مراد یہ تھی کہ اس تحریر سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔اس ساڑھے تین صفحے کے مضمون میں لکھاری نے پہلے تو غنیۃ الطالبین کے حوالے سے شیعہ حضرات کے کچھ فرقے بتائے ہیں پھر ڈوبے سورج کو واپس لانے کی روایات پر تین سوال کئے ہیں۔پھر ایک شیعہ شاعر معین کاشانی کی منقبت درج کی ہے۔جس میں اس نے سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کی مشہور رباعی جو تاجدار کربلا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی گئی ہے کی مختصر تشریح کر کے اسے خلاف حقیقت کہا ہے نیز اسے اسی شیعہ شاعر کی طرف منسوب کیا ہے۔۔آخر میں روایات کی سند پر جرح کر کے بہت سے راویوں کو نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

تین نظریات: ساری تحریر پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے مضمون نگاروں کا ذہنی پس منظر بھی پیش کر دیا جائے۔سو گزارش یہ ہے کہ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تین قسم کے نظریات وعقائد زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۔اہل سنت و جماعت حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداداد عظمتوں کا مرکز و منبع یقین کرتے ہیں۔ان کے نزدیک جس چیز یا شخص کو حضور ﷺ سے نسبت میسر آجائے وہ عظیم ہو جاتا ہے لہٰذا حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم بھی ہمارے بزرگ ہیں اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہمارے امام ہیں۔ان سب سے عقیدت گویا داخل ایمان ہے۔جو شخص ان میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ بھی بغض رکھتا ہے بدنصیب ہے۔

۲۔شیعہ (یا رافضی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سخت دشمن ہیں۔پانچ چھ کے سوا سب کو برا بھلا کہتے ہیں۔ان کی ہرزہ سرائی اس قابل نہیں کہ اپنے قلم کو اس سے آلودہ کیا جائے۔یہ البتہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی غلامی کا دم بھرتے ہیں مگر وہ بھی اپنی پسند کے مثلاً حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جنہیں قرآن پاک مومنوں کی مائیں فرماتا ہے ان ظالموں کے نزدیک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شامل نہیں۔حساب لگایا جائے تو اہل بیت کی محبت کے دعوے کے باوجود یہ اہل بیت کی اکثریت کے مخالف ہیں۔

۳۔خارجی لوگوں کا عقیدہ رافضیوں کے بالکل متضاد ہے ۔یہ خصوصاً ان اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے زیادہ دشمن ہیں جنہیں رافضی مانتے ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا دعوی کرتے ہیں۔(حالانکہ اگر سچے دل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ عنہم کے غلام ہوں۔تو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے بغض نہ رکھیں یونہی شیعہ لوگ پنجتن پاک (علی رسولنا وعلیہم السلام) کی محبت میں مخلص ہوں تو جن خلفائے راشدین کو وہ امام مانتے رہے یہ بھی مانیں)

رافضی اور خارجی دونوں فتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بلکہ خلافت راشدہ کے آخری زمانے ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔

انجمن سپاہ صحابہ: علامہ شامی کی تصریحات کے مطابق دور حاضر میں جناب محمد بن عبدالوہاب کے پیروا سی پرانی خارجیت کی یادگار ہیں۔ غیر مقلد اور دیوبندی حضرات فقہی اختلافات کے باوجود عقیدے کے اعتبار سے تقریباً ایسے متحد ہیں کہ گویا اصل میں دونوں ایک ہیں۔ سپاہ صحابہ دیوبندی عقیدے کی سرگرم اور پرجوش تنظیم ہے۔ اس کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی پہلے اہل سنت پر کیچڑ اچھالتے تھے۔ اور جہاں کہیں تبلیغی دورے پر جاتے۔ حضور سیدنا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایسے منفی انداز میں کرتے کہ مسلمان برداشت نہ کرتے اور لڑائی لگ جاتی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی سے مناظرے میں شکست کھا کر چوکڑی بھول گئے۔ اور اہل سنت کی بجائے شیعہ حضرات پر برسنے لگے۔ اگر چہ بظاہر ان کی محاذ آرائی رافضیوں کے خلاف ہے مگر موقع ملنے پر ان کے قابل ذکر رہنما اب بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اسی طرح زہر اگلتے ہیں جس طرح نجد و دیوبند کے اکابر کی عموماً عادت رہی ہے۔ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے انکار کے بعد ان کا خصوصی مشغلہ سیدنا علی المرتضیٰ اور ان کے مقدس کنبے کے فضائل سے بغاوت پھیلانا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور انجمن سپاہ صحابہ خلفائے راشدین کی بڑی عقیدت مند بنتی ہے۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے دن سرکاری طور پر منانے اور منکر صحابہ کے لئے موت کی سزا کا مطالبہ کرنے کے باوجود انہیں خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہم سے سخت بیر ہے۔ اپنی طرف سے انکی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے فضائل دبانے بلکہ مٹانے کے بہانے تلاش کئے جائیں۔ یونہی ان کے باقی کنبے خصوصاً سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں شدید بغض ہے۔

یادرہے حضور ہادی کونین علی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو گروہوں کی ہلاکت کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ انہی سے ارشاد عالی ہوا۔

ان فیک مثلا من عیسیٰ البغفته الیهود امه و احبة النصاری حتی انزلوه بالمنزلة التی لیست لهٗ

ترجمہ: (اے علی) تم میں حضرت عیسیٰ کی مثال ہے جن سے یہود نے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی ماں کو تہمت لگائی اور ان سے عیسائیوں نے محبت کی حتیٰ کہ انہیں اس درجہ میں پہنچا دیا جو ان کا نہیں تھا

محبت میں حد سے گزرنے کی بنا پر جو ہلاک ہوتے ہیں ظاہر ہے رافضی اور بغض کے ساتھ جو تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ یقیناً خارجی ہیں جن کے تازہ ترین ایڈیشن کا ایک شوخ باب ''انجمن سپاہ صحابہ'' ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت میں یہ زیادتی کہ انہیں خدا، نبی، سب نبیوں سے افضل یا سب صحابہ سے برتر مان لینا یقیناً اپنے اپنے درجے کے مطابق ہلاکت کا سبب ہے مگر اس کے برعکس ان کی معتدل اور جائز محبت بھی ضروری ہے بلکہ ایمان کی پہچان ہے۔ اگر کوئی اس کریم کی محبت سے خالی ہے تو حدیث پاک کی رو سے منافق ہے (چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔)

لایحب علیامنافق ولایبغضه مو من (احمد ترمذی)

ترجمہ: علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور ان سے مومن بغض نہیں رکھتا۔ خود حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

والذی فلق الحبة وبرا نه ا لنسمته انه لعهد النبی الامی صلی الله علیه وسلم الی لایحبنی الامو من ولایبغضنی الامنافق (مسلم)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس نے دانہ چیرا اور ہر جان کو پیدا کیا مجھ سے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد فرمایا کہ مجھ سے محبت نہ کرے گا مگر مومن اور مجھ سے بغض نہ رکھے گا مگر منافق۔ (۴)

ماہنامہ خلافت راشدہ: حضور محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف انداز میں خلافت راشدہ کی مدت تیس سال بیان فرمائی ہے اور یہ عرصہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ششماہی خلافت پر ختم ہو جاتا ہے۔ انجمن سپاہ صحابہ نے اپنے ماہوار جریدے کا نام ہی خلافت راشدہ رکھا ہے۔ دیکھنے والا گمان کرتا ہے کہ یہ ماہنامہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے وقف ہے۔ مگر اسے اندر کی تحریریں پڑھ کر سخت مایوسی ہوتی ہے۔ اس میں پہلے تین خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر تو بڑے اہتمام سے ملتا ہے۔ مگر چوتھے اور پانچویں خلیفہ (رضی اللہ عنہما) کا برائے نام۔ بلکہ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ چونکہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں لہذا ہر ممکن طریقے سے اسی طرز فکر کی نمائندگی کی جائے جسے خارجیت کی پہچان سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بعد یہ لوگ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت خوش ہیں۔ ان کے فضائل کا پرچار ان کا اصل مقصود ہے۔ پھر ان کا ناہنجار بیٹا یزید تو ان کا امیر المومنین ہے۔ شہادت حسین کانفرنس ان کے پروگرام سے باہر ہے۔ مگر لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے اگر کبھی اس عنوان سے کوئی اجتماع منعقد کر لیں تو بھی اس میں سب کچھ ہوتا ہے سوا ذکر حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا کے۔ (چنانچہ خلافت راشدہ کے اسی شمارے میں (جس کا ذکر ابتدائی سطور میں ہوا تھا۔ (یعنی بابت اکتوبر نومبر ۱۹۹۳ء) شکر گڑھ کی شہادت حسین کانفرنس کی روداد بھی درج ہے۔ اس کو پڑھ کر ہی اندازہ فرمالیں اور چشم دید گواہوں سے سن سکیں۔ تو بات بالکل کھل جاتی ہے۔ کہ سب کچھ ہوا مگر جس عنوان پر کانفرنس منعقد ہوئی اس کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ **کے لئے سورج لوٹا تھا:** مذکورہ شمارے کے صفحہ ۱۳ سے اس عنوان سے مضمون شروع ہوا ہے۔ جو صفحہ ۱۲ کے تقریباً نصف پر ختم ہوتا ہے۔ گویا ساڑھے تین صفحات میں بڑا زور لگا کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم معجزے کے انکار پر خامہ فرسائی کی گئی ہے مضمون کے عنوان سے بھی اور طرز تحریر سے صاف نظر آتا ہے کہ لکھاری کے نزدیک اس واقعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت مترشح ہوتی ہے۔ لہذا اس کے خلاف جو کچھ ہو سکتا ہے ہونا چاہیے۔ اسی جذبے کا نام بغض ہے۔ مگر سوچئے تو سہی حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی عظمت کے ساتھ ساتھ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور آپ کی محبوبیت کا اظہار بھی تو ہوتا ہے۔ اور مزید ایمان و توحید کی نظر سے دیکھیں۔ تو قدرت خداوندی کا بہت بڑا ثبوت دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس واقعے کے تین پہلو ہیں۔

۱۔ جناب سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ خدا اور رسول میں عزت و وجاہت اور منکرین کی نظر یہیں تک محدود ہے۔ (اسی لئے اسے ختم کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے)

۲۔ حضور خواجہ کونین رسول کل صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ۔ چونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے رسول ہیں کہ فرماتے ہیں۔

ارسلت الی الخلق کافۃ (مسلم شریف)

ترجمہ: میں سب مخلوق کی طرف رسول ہوں۔

تو سورج بھی مخلوق میں شامل ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوا اور امتی پر اپنے نبی علیہ الصلوۃ السلام کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ اور حکم نہ دیں تو خدا کی بارگاہ میں دعا کر کے اسے لوٹا لیں تو بھی آپ کی نبوت وحقانیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ بغض علی نے اگر ان کی آنکھیں بند نہیں کر دیں تو عظمت رسول کا جو پہلو اس معجزے سے تعلق رکھتا ہے، بالکل ظاہر ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے۔ ایک کلمہ گو کو ایسی منفی فکر اپناتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ کیا خوب فرمایا ہے اعلی حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویا رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول کی

کیا اب یہ سمجھنا مشکل ہے۔ جیسے "مہر علی ہے مہر نبی" یونہی "بغض علی ہے بغض نبی" (صلی اللہ علیہ وسلم و کرم اللہ وجہہ)

۳۔اب تیسرے پہلو کی طرف آیئے یعنی قدرت خداوندی کی دلیل۔جس ملک میں لوگ مدتوں سے دوسرے معبودان باطلہ کے ساتھ ساتھ چاند سورج کی پوجا بھی کرتے ہیں اس میں چاند کے دوٹکڑے کرنا اور ڈوبے سورج کو واپس لانا کس قدر توحید افروز ہوگا۔کچھ تفصیل سے عرض کروں۔لوگ پتھر کے بتوں کو خدا مانتے تھے سچے خدا نے ان پتھروں سے اپنے نبی پر سلام کہلوا کر اور بتوں سے نبی کی تصدیق کرا کے مسئلہ صاف کر دیا۔کفار درختوں کی پوجا کرتے تھے۔خدا نے نبی کے ارشاد پر انہیں چلا کر ان کے معبود ہونے کی نفی کر دی۔مشرک چاند کو لائق عبادت خیال کرتے تھے خدا نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر اسے دوٹکڑے کر کے اسکی حقیقت واضح فرما دی۔توحید نا آشنا سورج کے حضور بھی سجدہ ہائے نیاز لٹاتے تھے،خداوند کریم وقدیر نے اسے پابند تقریر ثابت کرنے کیلئے اپنے سب سے بڑے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرماتے ہوئے اسے غروب کے بعد لوٹا دیا۔

ہر معجزہ توحید اور توحید کے علمبردار نبی علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے۔خاص معجزہ خاص دلیل اور بڑا معجزہ بڑی دلیل۔تو اس قسم کے معجزات کا خواہ مخواہ انکار توحید اسلام اور قرآن کی کونسی خدمت ہے۔(اس پہلو کی مزید وضاحت کے لئے دور حاضر کے غالباً ذہین ترین عالم دین حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمتہ کی ایک تقریر عرفان ربی کی ناطق دلیل جو مقالات کاظمی جلد۳ میں شائع ہوئی ہے کا حوالہ آگے دیکھئے) یہاں یہ بھی عرض کردوں معجزے کے دو اہم مقصد ہوتے ہیں۔

۱۔ منکرین کے لئے اتمام حجت

۲۔ اہل ایمان کے لئے اطمینان قلبی۔

وہ معجزات جو کفار کے مطالبے پر دکھائے گئے۔بہت حد تک اتمام حجت کے طور پر تھے اور جو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے رونما ہوئے وہ ان کے لئے **ولکن لیطمئن قلبی** کی تفسیر بن گئے جیسے یہی رد الشمس کا معجزہ۔(اس کی تفصیل بھی مضمون کے آخر میں دیکھئے)

خلافت کی حقیقت: دور حاضر کے جن لوگوں نے ''بغض علی'' کے سبب اسے جعلی اور موضوع روایت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے ٹھنڈے دل سے اس پر غور ہی نہیں کیا یہ معجزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت ہی کا پیامی نہیں بلکہ اس سے خلافت راشدہ کی حقیقت وعظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

خلافت''آدم'' کیا ہے اور''انسان'' کا اسلامی نقطہ نظر سے کائنات کی وسیع وعریض مملکت میں مقام ومرتبہ کیا ہے۔؟ خلافت،نیابت کو اور خلیفہ نائب کو کہتے ہیں۔اس اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سے سرفراز فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دوسری مخلوق پر حاکم بنایا ہے مگر یہ منصب انہی کی ذات تک محدود نہیں بلکہ حضرت انسان کو نوع کے اعتبار سے باقی انواع مخلوق پر حکمرانی عطا فرمائی ہے۔انسانوں میں جو شخص بھی خدا وند کریم کا سچا فرمانبردار ہے'اپنی فرمانبرداری کے مطابق باقی مخلوق کے مقابلے میں خدا کا نائب ہے۔چنانچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام سبھی اپنی اپنی شان کے لائق خداوند کریم کے خلفاء ہیں اور اپنی اپنی شان کے لائق دنیا کے حاکم (ومتصرف)'اگر انہیں باذن اللہ دنیا میں حاکم و متصرف نہ مانا جائے تو خلافت کا مفہوم ہی کچھ نہیں رہتا'معجزات وکرامات اس حقیقت کا عملی ثبوت اور حضرت اقبال علیہ الرحمتہ کا فلسفہ خودی اس نکتے کی تفسیر ہے۔مختلف فرائض سرانجام دینے والے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانے کا مقصد یہی تھا کہ واضح کر دیا جائے انسان کامل کا حکم اللہ کا حکم ہے۔(تفسیر عزیزی میں خلافت آدم کی متعلقہ آیات کی تفسیر میں تفصیل سے اس پر بحث فرمائی گئی ہے۔کہ خدا کا خلیفہ زمین وآسمان میں حاکم و متصرف ہوتا ہے)انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں سے اسی لئے معصوم بنایا گیا ہے کہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔

......﴿جاری ہے﴾......

تصوف کی ضرورت و اہمیت

تقریر: حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف کیا ہے؟: ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسانی جسم مختلف امراض وعوارض سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ سر سے پاؤں تک کوئی عضو ایسا نہیں جسے ان کی زد سے باہر قرار دیا جا سکے۔ ہم ان کا علاج کرانے کے لئے ڈاکٹروں، طبیبوں یا جراحوں کے پاس جاتے ہیں کیونکہ یہ میڈیسن یا طب میں سند یافتہ ہوتے ہیں اور اپنے علم وتجربہ کی روشنی میں مریض کی حسب ضرورت تشخیص کر کے مناسب علاج تجویز کرتے ہیں بلکہ آپریشن ضروری ہو تو اس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان میں جو زیادہ حاذق ہوتا ہے، اتنا ہی مرجع عام وخاص ہوتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان خود اپنے مرض سے بے خبر ہوتا ہے مگر قابل طبیب یا ڈاکٹر اسے دیکھتے ہی مریض قرار دے دیتا ہے۔ اگر مریض ہوشمند ہو تو طبیب پر اعتماد کر کے اپنے مرض کا علاج کروا لیتا ہے ورنہ اپنی ظاہری صحت سے دھوکا کھا کر اپنی روش پر چلا رہتا ہے حتیٰ کہ اندر ہی اندر بیماری زور پکڑتی جاتی ہے اور آخر کار اسے لے ڈوبتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی مرض سے دوچار تو نہیں مگر کامل طبیب کی نظر میں جلد دوچار ہونے کا خطرہ ہو بعض طبیب اپنے فن میں ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ بیماری کے کھوج میں بیمار کے باپ دادا تک پہنچ جاتے ہیں اور اپنے مخصوص انداز تحقیق سے ثابت کرتے ہیں کہ بیماری مریض کا حصہ فطرت بن چکی ہے۔

اسی طرح سمجھئے ہمارے دل (یا ہماری روحانیت) کی بھی بیماریاں ہیں اور ان کا علاج کرنے کے لئے بھی حکیموں کا ایک گروہ موجود ہے۔ یہ لوگ ہماری روحانی وقلبی بیماریوں کی تشخیص کر کے ان کے اسباب متعین اور علاج تجویز کرتے ہیں۔ دونوں گروہوں کے طرز تشخیص اور مہارت فن میں کیا فرق ہے، حضرت مولانا روم سے سنیئے فرماتے ہیں:

ایں طبیبان بدن دانشور ند — برسقام تو ز تو واقف ترند
تا ز قارورہ ہمی بینند حال — کہ ندانی تو ازاں رو اعتدال
ہم زنبض وہم زرنگ وہم زدم — بو برند از تو بصد گونہ سقم
پس طبیبان الٰہی در جہاں — چوں ندانند از تو اسرار نہاں
ایں طبیبان نو آموزند خود — کہ بدیں آیات شاں حاجت بود
کاملاں از دور نامت بشنوند — تا بقعر تارو پودت درروند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا — دیدہ باشندت بچندیں حالہا
حال تو دانند یک مو بمو — زانکہ پر ہستند از اسرار ہو
مومن ینظر بنور اللہ شدی — از خطا و سہو بیروں آمدی

مختصر یہ کہ روحانی طبیب، انسان کے اندرونی عوارض وامراض کو سمجھنے میں جسمانی طبیبوں سے منزلوں آگے ہوتے ہیں۔انہیں رنگ، دم دیکھنے یا آلات لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اور مریض کی پیدائش سے بھی پہلے اس کے ظاہری وباطنی جملہ کوائف کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اب یوں سمجھئے قلب وروح کے طبیب یا ڈاکٹر کو، صوفی کہا جاتا ہے اور وہ مخصوص علم طب جس میں قلب وروح کے امراض وعلاج سے بحث کی گئی ہے، تصوف کہلاتا ہے۔

جسم کے ڈاکٹر یا طبیب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خود بیمار نہ ہو، بیماری میں بھی دوسرں کا علاج کر لیتا ہے مگر صوفی کے لئے ضروری ہے کہ ہر قسم کی روحانی آفت سے محفوظ ہو ورنہ تشخیص کر سکے گا نہ علاج۔ ڈاکٹر اور طبیب کو سند کی ضرورت ہوتی ہے تو صوفی کو اجازت وخلافت کی (کہ یہ اس کے لئے سند ہے) بعض مریضوں کو ہسپتالوں میں داخل ہونا ضروری ہوتا ہے تا کہ معالج کی نگرانی میں خاطر خواہ علاج ہو، اسی طرح بعض طالبوں کو صوفی، کے ہسپتال جسے خانقاہ، یا کبھی درگاہ بھی کہتے ہیں، میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔

یہ خانقاہ مطب ہی نہیں، طبی درسگاہ بھی ہوتی ہے اس لئے علاج کرانے کے لئے ہی نہیں، طب روحانی سیکھنے اور تجربات حاصل کرنے کے لئے بھی ان میں داخلہ ضروری ہے۔

جسمانی فزیشن اپنی علمی وفنی مہارت کے باوجود کسی کو محض دیکھنے بولنے یا توجہ سے کسی کی بیماری دور نہیں کر سکتے مگر روحانی طبیب ایسا بھی کر سکتے ہیں اور کرتے آئے ہیں۔

قلبی وروحانی امراض: جسمانی امراض کی طرح روحانی امراض بھی ان گنت ہیں۔ چند اہم بیماریاں حسب ذیل ہیں۔

کفر وشرک، تشکیک ولا ادریت، نفاق، ریا وسمعہ، حب دنیا خوف ماسوی اللہ، غرور وتکبر، بغض وحسد، خود پرستی وخود نمائی، حرص مال وزر، سوء ظن، طول امل (دنیا والوں سے یا دنیا سے لمبی امیدیں رکھنا) غصہ وکینہ وغیرہ۔ پھر جس طرح جسمانی بیماریوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں اور جب یہ انتہا تک پہنچ جاتی ہیں، لاعلاج قرار پاتی ہیں۔اسی طرح روحانی بیمار بھی مسلسل اور دانستہ نافرمانیوں اور بے اعتدالیوں کی وجہ سے غضب خداوندی کا شکار ہو کر لاعلاج ہو جاتے ہیں۔ بالعموم یہ صورت حال کفر ونفاق کے باب میں ہوتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں **ختم اللہ علی قلوبھم اور فھم لا یرجعون** میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تصوف کی ضرورت:

جس طرح تھوڑی سی سوجھ بوجھ والا شخص بھی میڈیکل کالجوں کی افادیت سے انکار نہیں کرسکتا، یونہی تصوف یعنی طب روحانی سے انکار کرنا بھی عقل سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ صرف جسمانی صحت کا حصول انہی کا مقصد حیات بن سکتا ہے جو نور ایمان، رضائے خداوندی اور ابدی کامیابی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ورنہ اگر صدق نیت سے سوچیں تو جسمانی امراض سے بھی روحانی امراض کا علاج زیادہ ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اصل قدر وقیمت اس کی اندرونی صحت سے وابستہ ہے بلکہ انسانیت اسی صحت حال کا نام ہے۔

تصوف اور انسانیت:

دراصل انسانیت، مقصد تخلیق کے حصول کا نام ہے اور یہ تصوف کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس پاکیزہ مقصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کی اپنی نفسانیت ہے اور تصوف اسی رکاوٹ کو دور کرنے کے علم وعمل کا نام ہے یاد رہے جب تک ظلمت نفس چھائی رہے گی، ایمان کامل نصیب ہوگا نہ اخلاص عمل۔ گویا تصوف ہی ان دو لازوال دولتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس دنیائے فانی میں انسان کا بڑا مقصد حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور اس (معرفت) کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اول	قسم دوم
ا۔جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں	ا۔جسے بڑے بڑے علمانے بیان کیا ہے
۲۔کشف وشہود سے متعلق ہے	۲۔نظرواستدلال سے وابستہ ہے
۳۔دائرہ حال میں داخل ہےاور تحقق کی جنس سے ہے	۳۔دائرہ علم میں داخل ہے جوتصور وتعقل کی جنس سے ہے
۴۔سالک کی اپنی ہستی فنا ہوجاتی ہے	۴۔عارف کا وجود اس سے فنا نہیں ہوتا
۵۔علم حضوری کی جنس سے ہے	۵۔علم حصولی کی قسم سے ہے

نیز قسم اول میں نفس اپنی سرکشی بلکہ کفر پہ قائم رہتا ہے۔اس لئے ایمان ہے تو محض مجازی اور عمل ہے تو محض صورتا حدیث قدسی میں ہے تو اپنے نفس سے عداوت کر کیونکہ وہ مجھ سے عداوت کرنے پر قائم ہے،اس لئے ایمان زوال وخلل سے محفوظ نہیں،قسم دوم میں سالک کی ہستی فنا ہوجاتی ہے اس لئے نفس مطیع ہوجاتا ہےاور ایمان وعمل صالح حقیقی ہوجاتے ہیں۔

حدیث پاک **اللھم انی اسئلک ایما نا لیس بعدہ** کفراور آیہء کریمہ **یاٰیھا الذین امنو ا امنوا باللہ ورسولہ** میں اسی ایمان (حقیقی) کی طرف اشارہ ہے حضرت امام احمد بن حنبل اسی معرفت کے حصول کی خاطر حضرت بشر حافی کی رکاب میں چلتے تھےاور سیدنا امام اعظم استنباط واجتہاد اور درس وتدریس چھوڑ کر اسی ایمان کی تکمیل کے لئے عمر کے آخری دوسال گوشہ نشین رہے۔(علیھم الرحمۃ)

یاد رہے اعمال کی قبولیت درجہء ایمان اوران کی نورانیت درجہ اخلاص پر موقوف ہے۔نیز جس کا قدم فنا میں زیادہ محکم ہوگا،اتنا ہی اس کا ایمان کامل ہوگا۔اسی لئے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان باقی امت کے ایمان پر راجح نکلا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اگر ابوبکر کا ایمان میری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کے ایمان کا پلڑا بھاری ہوگا،کیونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فنا میں فرد کامل تھے،چنانچہ دوسری حدیث میں ہے جوشخص مردہ کوروئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ ابوقحافہ کے بیٹے کو دیکھ لے اگرچہ یہ فنا سب صحابہ کرام کو حاصل تھی مگر سیدنا صدیق اکبر کو بدرجہء کمال میسر تھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہ) آیہ کریمہ **وماخلقت الجن والا نس الا لیعبد ون** ترجمہ:اور میں نے جنوں اورانسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اپنی عبادت کے لئے جس عبادت یا معرفت کو مقصد تخلیق ٹھہرایا گیا ہے وہ یہی دوسری قسم کی معرفت ہے جس شخص کو یہ حاصل نہیں،اسے اس کی طلب میں سرتوڑ کوشش کرنی چاہیے۔(مکتوب ۲۱ ج ۲:ترجمہ وخلاصہ)

تصوف، کتاب وسنت میں: نزول قرآن حکیم کا مقصد دراصل انسان میں شعور بندگی پیدا کر کے اسے ابدی کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس میں انہی امور کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے جن کا تعلق احساس بندگی اور مقام انسانیت سے ہے یہ نسخہ کیمیا یوں تو مطلقاً شفا ہے مگر اس کا اصل رخ اندرونی فکروشعور کی اصلاح اور قلبی بیماریوں کے علاج کی طرف ہے بندے کا اپنے رب کے ساتھ تعلق اخلاص پر مبنی ہونا چاہیے اور یہی اس کے باطنی امراض کا چارہ بھی ہے چنانچہ فرمایا **فا عبد اللہ مخلصالہ الدین** (الزمر:سو اللہ کی عبادت کر اخلاص کے ساتھ) اور یہی اخلاص تصوف کا عنوان اول ہے۔

حدیث جبریل علیہ السلام میں اسلام ایمان اور احسان کا جو ذکر آیا ہے،اس کی تشریح شیخ محمد محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ یوں فرماتے ہیں۔

''جان لے دین اور اس کے کمال کی بنیاد فقہ کلام اور تصوف پر ہے اس حدیث نے ان تینوں مقاموں کا بیان کردیا۔اسلام اشارہ فقہ کی طرف ہے جو اعمال واحکام شرعیہ کا متکفل ہے اور ایمان اشارہ اعتقادات کی طرف ہے جو کہ علم اصول کے مسائل ہیں اور احسان اشارہ اصل تصوف کی طرف ہے۔''

تصوف کا انکار- کیوں؟: دور حاضر نعرہ بازی کا دور ہے یا فکر گستاخ کا۔ظلمت نفس نے عموماً فکروشعور کو تاریک راہوں پر ڈال دیا

ہے اور جو اس کی زد میں جس قدر آ گیا وہ اتنی ہی بڑی حقیقت کا منکر ہو گیا۔ فکری انتشار زوروں پر ہے اور جو بھی، جس نام سے بھی اور جس صداقت کا بھی انکار کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ فقہ کا انکار کرنے کے لئے لوگوں نے عمل بالحدیث کا نعرہ لگایا حالانکہ فقہ حدیث ہی کی تشریح و توضیح ہے۔ سنت رسول اور اطاعت رسول ﷺ سے روگردانی کرنے والوں نے اہل قرآن ہونے کا دعوی کیا حالانکہ قرآن حکیم کی رو سے مومن و کافر کے درمیان فرق ہی اطاعت رسول ﷺ ہے اور سرکار دو عالم علیہ صلوٰۃ والسلام کی اطاعت رب دو عالم جل مجدہ کی اطاعت ہے جنت و دوزخ، حور و ملک، جن و شیطان، عرش و فلک اور حشر و نشر جیسی قرآنی تصریحات سے سرتابی کو فہم قرآن، جیسا خوبصورت نام دیا گیا۔ انکار، کی اس گرم بازاری میں اگر کوئی تصوف یعنی اسی روحانی طب، قرآنی، اخلاص، اور حدیثی احسان کو غیر ضروری یا بدعت سمجھ لے تو کون زبان روک سکتا ہے۔

چند سالوں کی بات ہے ایک جدید تعلیم یافتہ نوجوان کسی تجدد پسند لیڈر کی تحریر سے متاثر ہو کر میرے ہاں سیالکوٹ آیا اور دوران گفتگو کہنے لگا انہوں نے سچ ہی تو فرمایا ہے تصوف ایک افیون کی طرح ہے میں نے پوچھا، کیا دین و مذہب کے منکر دین و مذہب کو افیون کا نشہ قرار نہیں دیتے؟ اور اگر واقعی ایسا ہے تو سوچئے کہ آپ کے مفسر قرآن کا انداز فکر اور طرز گفتگو کن کا فیض ہے۔ اسے افیون قرار دینا کن کی سنت ہے۔ تصوف دین کا مقصود سمجھنے، اس پر عمل کرنے بلکہ اس میں گم، ہونے کا نام ہے یہ تو خدا اور رسول (جلالہ فصلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کا نشہ ہے جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس کا کسی بہانے انکار کرو وجہ وہی ہو گی ظلمت نفس و فکر گستاخ،

منکرین تصوف یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اس میں یونانی و ہندی (دیو مالائی) فلسفے کے اثرات شامل ہو گئے ہیں اور وحدۃ الوجود کا نظریہ ایسے ہی مشرکانہ افکار کی پیداوار ہے حقیقت میں یہ اعتراض بھی لاعلمی یا تعصب کی بنا پر ہے اور لفظ تصوف خود اس پر شاہد عادل ہے جو بعض کے نزدیک اصحاب صفہ کی نسبت سے ہے تو بعض اسے صفا (یعنی صفائے قلب و حال) اور بعض اسے صوف سے مشتق قرار دیتے ہیں (اس لئے کہ پہلے دور میں صوفیا ریاضت و مجاہدہ کی غرض سے صوف کا لباس پہنتے تھے) تابعین اور تبع تابعین کے دور میں یہ لفظ عام مستعمل تھا اور اہل سنت اپنے زاہدوں کو صوفی کہتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل حضرت ابو حمزہ بغدادی کو یا صوفی، کہہ کر خطاب فرماتے (رضی اللہ عنہما) برصغیر میں اسلام کے انوار لانے اور پھیلانے والے اکابر، صوفیا، ہی کہلاتے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے یہ صوفیائے کرام مثلاً داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، حضرت میراں حسین زنجانی، حضرت پیر مکی، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی' حضرت خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر، حضرت بہاؤ الحق زکریا، حضرت خواجہ رکن عالم، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت خواجہ گیسو دراز، حضرت شاہ ابو المعالی اور سیدنا مولنٰا مجدد الف ثانی علیہم الرحمتہ والرضوان کتاب و سنت سے بے نیاز تھے اور معاذ اللہ یہاں کسی غیر اسلامی فلسفے کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے ہیں نہیں بلکہ ان سب کی زندگی، رضائے خدائے کریم اور اتباع حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقف تھی اور یہ ان کے تصوف (یعنی صدق حال) کی برکت تھی کہ بتکدہ ہند میں رسم خلیل تازہ ہوئی تھی اور کفر و شرک کا یہ گہوارہ ایمان و توحید کی جلوہ گاہ بن گیا اور مختصر یہ کہ ہمارے ہاں تو اسلام لانے والے ہی تصوف لائے ہیں پھر اسے ہند و یونان کی پیداوار کہنا اپنے اسلاف کی کردار کشی نہیں تو کیا ہے۔

رہ گیا وحدۃ الوجود کا مسئلہ تو وہ بھی اپنی حقیقی تشریحات کے ساتھ قطعاً غیر اسلامی نہیں اس کے خلاف موثر ترین آواز قطب المجد دین حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ نے اٹھائی مگر انہوں نے کبھی یہ الزام نہیں دھرا کہ اس کے علمبردار معاذ اللہ غیر مسلم یا ان سے متاثر تھے وہ تو اسے مشاہدے کی ایک منزل قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے وحدت الشہود کو اس سے اگلی منزل گردانتے ہیں۔ انہوں نے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمتہ کو جو اسے باضابطہ پیش کرنے والے تھے، ہمیشہ اولیائے کبار میں شمار کیا خود حضرت مجدد، خواجہ باقی باللہ کے حلقہ ارادت میں آنے سے پہلے علم و فضل کا آفتاب عالم تاب ہونے کے باوجود، اپنے والد ماجد کی طرح ''وجودی'' تھے (رضی اللہ عنہم)۔ 'شہودی' ہونے کے بعد بھی ان علماء پر جو اولیائے وجودی پر آپ کے سامنے معترض تھے، آپ بعض دفعہ وحدت الوجود کی کیفیت طاری کر کے انہیں متحیر و خاموش کر دیتے تھے (جیسا کہ اسی کتاب میں ایک واقعہ گزر چکا ہے) ابن تیمیہ کا، جو خداوند کریم کو مجسم مانتا تھا اگر شیخ اکبر کا گستاخ اور وحدۃ الوجود کا منکر ہے۔

کوئی اعتبار نہیں۔ہاں اگر بعض جاہل صوفیوں نے کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو یقین جانیے وہ جاہل تو ضرور ہوں گے،صوفی ہرگز نہیں اوران کی خرافات سے اصل تصوف موردالزام نہیں ٹھہرتا۔کیا ابوالکلام آزادنے جو رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ پر ایمان لانا نجات اخروی کے لئے ضروری نہیں سمجھتا تھا تفسیر لکھ کر قرآن پر ظلم نہیں کیا؟ تو کیا اس کی وجہ سے علم تفسیر ہی کو مطعون کرنا جائز ہوگا۔اسی طرح کسی موضوع حدیث کو سن کر ہر حدیث اور علم حدیث کا انکار روا ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں تو تصوف کے بارے میں ہم کسی غلط روایت کا سہارا لے کر اس سے کیوں پھریں۔

تصوف صوفیائے سابقین کی نظر میں:

تصوف کا اولین تصور نکھارنے کے لئے صوفیائے کرام کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔سیدنا داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ نے کسی بزرگ کے درج ذیل شعر کے حوالے سے تصوف اور صوفی کا مفہوم پیش کیا ہے۔

ان الصفا صفة الصديق انااردت صوفیاعلی التحقق

یعنی اگر تجھے کسی صوفی کی تلاش ہے تو شان صفا سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متصف تھے (جن کے دل کو ماسوا سے تعلق تھا، نہ دنیا سے محبت)

۲۔حضرت ابوالحسن نوری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

التصوف ترک کل حظ لنفس یعنی ہر حظ کو چھوڑنا تصوف ہے۔

۳۔حضرت حصری علیہ الرحمتہ کا ارشاد ہے۔

تصوف ہے اپنے ضمیر کو مخالفت حق کی کدورت سے پاک رکھنا۔

(التصوف صفاء السر من كدرة المخالفة)

۴۔امام الائمہ سیدنا حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ ہے

التصوف خلق فمن ذاد علیک فی خلق زاد علیک فی التصوف

یعنی تصوف نیک خصلت ہے جو تجھ سے اخلاق میں اچھا ہے، وہ تجھ سے تصوف میں آگے ہے۔

۵۔غوث الاغیاث، فردالافراد حضور سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان عالی سینے۔تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر قائم ہے

(۱) سخائے ابراہیم علیہ السلام (۲) رضائے اسحٰق علیہ السلام (۳) صبر ایوب علیہ السلام (۴) مناجات زکریا علیہ السلام (۵) مسافرت یحییٰ علیہ السلام (۶) صوف پوشی کلیم اللہ علیہ السلام (۷) سیاحت مسیح علیہ السلام (۸) فقر محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام)

طب تصوف کا خلاصہ:

نسخہ: قرب خداوندی کے حصول کی خاطر نو ۹ چیزیں اختیار کیجئے:

خواهی كه شوی بمنز ل قرب عظيم — نه چيز بنفس خود فرما تعليم

صبر و شكر و قناعت و علم و يقين — تفويض وتوكل ورضاوتسليم

پرہیز: دل کی صفائی کے لئے دس چیزوں سے پرہیز کیجئے۔

خواهی كه شود دل تو چون آئينه — ده چيز برون كن ازدرون سينه

حرص وائل وغضب دروغ وغيبت — بخل وحسد ريا و كبر و كينه

......☆......

معرفت خدائے ذوالجلال بوسیلہ انبیاء و اولیاء کی

تقریر: حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ | ترتیب: محمد طاہر نقاش حسینی

الحمد لله الذی بعث الا نبياء و الا ولياء لمعرفته و الصلوٰة و السلام علیٰ سيد الانبياء و علیٰ اله و کل اصحابه و ذريةٖ اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشطين الرحيم بسم الله الرحمن الرحيم

و ما خلقت الجن و الا نس الا ليعبدون

الصلوٰة والسلام عليک يا سيدى يا رسول ﷺ
وعلی الک واصحابک يا سيدى يا حبيب الله
الصلوٰة والسلام عليک يا سيدى يا سراج السالکين
وعلی الک واصحابک يا سيدى يا مصباح المقربين

مئے وحدت پلامینوں علی پور والیا شاہا | خدا سے جا ملامینوں علی پور والیا شاہا
جیویں اک نانبائی رنگیا سی خواجہ باقی نے | تویں ہی رنگ جامینوں علی پور والیا شاہا
نکالا ڈاکٹر روحانیاں نے ہسپتالاں تھیں | سمجھ کے لا دوا مینوں علی پور والیا شاہا

عزیزانِ گرامی قدر! انسان کو کس لئے بنایا گیا ہے۔ اس کی تخلیق کیوں ہوئی۔ اس کا مقصد حیات کیا ہے؟ اس سوال کے سلسلے میں ہر شخص اپنی اپنی بات بیان کرتا ہے۔ اپنے اپنے اندازے اور قیاس کے پیش نظر مختلف آراء منظر عام پر آتی ہے کہ میری تخلیق کا مقصد فلاں ہے، مجھے فلاں مقصد کے تحت حیات نصیب ہوئی۔ یہ تمام آراء غیر معتبر ہیں۔ لیکن ایک وہ مقصد ہے۔ ایک وہ ارشاد ہے جو انسان کو انسان بنانے والے نے صادر فرمایا ہے۔ اس خالق و مالک و رازق سے پوچھا جائے۔ کہ یا الٰہی! تو نے اپنی مخلوق میں انسان کو کس مدعا کے تحت مبعوث کیا ہے۔ اس سوال کا جواب وہ خالق اپنی اس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے جس میں کائنات کی ہر خشک و تر چیز کا علم ہے۔ فرماتا ہے۔

وما خلقت الجن و الا نس الا ليعبدوون

میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

جنوں کا بھی مقصد تخلیق عبادت بیان کیا اور انسانوں کا بھی مقصد تخلیق عبادت سے تعبیر فرمایا۔ اگر جن اور انسان اپنے اللہ کی عبادت نہ کریں تو گویا وہ اپنے مقصد تخلیق سے دور جا پڑے ہیں۔

صوفیائے کرام، عرفا اور مفسرین کرام سے پوچھیں کہ اس آیہ مبارکہ میں **لیعبدون** سے کیا مراد ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مراد **لیعرفون** ہے۔ کہ رب فرماتا ہے میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے تخلیق فرمایا ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔ اب انسانوں اور جنوں کو ہر حال میں بلکہ ہر اعتبار سے یہ کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کریں، پھر اس پہچان کا فائدہ کیا ہوگا بقول اقبال علیہ الرحمہ

اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک　　　　اور پہچانے تو ہیں تیرے گدادارا و جم

اے انسان! اگر تو اپنے اللہ اور اپنے مالک کو نہ پہچانے تو تو امیروں کا غلام ہے، بادشاہوں اور وزیروں کا محتاج ہے لیکن اگر تو اپنے اللہ کو پہچان جائے تو یہ سمجھ کہ زمانے کے بڑے بڑے بادشاہ، بڑے بڑے تاجور تیرے غلام ہیں۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رب نے یہ تو ارشاد فرمادیا کہ انسان کو چاہئے کہ وہ دنیا میں رہ کہ میری معرفت حاصل کرے لیکن اپنی معرفت اور پہچان کا ذریعہ اس نے کون سا رکھا، کس وسیلے سے اس رب تک پہنچا جائے۔ تو سنئے! اس کا حل یہ ہے کہ اس مالک نے اپنی پہچان کرانے کی خاطر سلسلہ نبوت کا آغاز فرمایا ہے، نبوت و رسالت کا دروازہ کھولا، انبیاء اس کائنات میں آئے۔ انہوں نے تشریف لاکہ انسانوں کو معرفت خداوندی کرائی اور بذات خود وہ اللہ کی معرفت کا ذریعہ بن گئے۔ کیونکہ اللہ نے ان کو اپنی پہچان کرانے کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔ یا یوں سمجھیں، ہم دنیا میں اللہ کی پہچان کرنے کیلئے آئے ہیں جبکہ اللہ کا نبی پہچان کرانے کیلئے، ہم زندگی کا سفر طے کرنے کیلئے آئے ہیں۔ جبکہ اللہ کا نبی زندگی کا سفر طے کرانے آیا ہے۔

جو شخص اللہ کے نبی کے جتنا قریب ہوگا اسے اسی قدر معرفت خداوندی حاصل ہوگی اور جو شخص اللہ کے نبی سے جس قدر دور ہوگا وہ خدا کی پہچان سے بھی اتنا ہی محروم رہے گا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھ لیجئے، حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ اللہ کے نبی کا قرب نصیب ہوا۔ اللہ کے نبی کا قرب حاصل کرنے کی بدولت وہ اللہ کو بھی پہچان گئے۔ جبکہ دوسری طرف ابو جہل۔ ابولہب۔ عتبہ۔ عتیبہ وغیرہ کو دیکھ لیجئے۔ حضور ﷺ سے دور ہیں، اللہ کے نبی کی قربت سے محروم رہنے کی بنا پر وہ اللہ کی معرفت سے بھی محروم رہے۔ اعلیٰحضرت، عظیم المرتبت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں

مومن ان کا کیا ہوا، اللہ ہی کا ہوگیا　　　　کافران سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا

جو سرکار دو عالم ﷺ کی غلامی میں آگیا، حضور ﷺ سے اپنا رشتہ استوار کیا، خود کو کہا کہ اللہ کے نبی کا ہوں۔ وہ گویا ایسے ہے جیسے اللہ کے دامن کرم میں آگیا۔ اور جس نے حضور ﷺ کی شان رسالت کا انکار کیا، حضور ﷺ کے در رحمت سے پھرا وہ گویا اللہ کے دربار رحمت سے پھر گیا۔ بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ آگے ارشاد فرماتے ہیں

مومن ان کا کیا ہوا، اللہ اس کا ہوگیا　　　　کافران سے کیا پھرا، اللہ اس سے پھر گیا

جس شخص نے محبوب کائنات کا دامن محبت تھاما، اپنا تن، من، دھن اپنے آقا پر قربان کرنے کیلئے تیار ہوگیا وہ خوش نصیب ایسا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کو اپنا کہا رب نے یہ کرم فرمایا کہ اپنے محبوب کے غلام کو کہا کہ تو نے میرے محبوب کو اپنا کہا ہے۔ اس کی بدولت میں تیرا ہوگیا۔ اور جس بدبخت نے اللہ کے محبوب سے اپنا منحوس چہرہ پھیرا۔ رب گویا اسے فرماتا ہے کہ اے بدبخت! تو نے میرے محبوب سے اپنا رخ پھیرا ہے جا چلا جا! تیرے لئے میری رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور پھر جو شخص حضور ﷺ کا قرب حاصل کرتا ہے، اسے حضور ﷺ کی بدولت اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے تو پھر اس کا مقام کیا ہوتا ہے اٹھائیے بخاری شریف، خود رب کائنات اپنے اس مقرب بندے کی شان بیان فرماتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و ید ہ التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها

کہ جب میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے تو اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی وہ بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے وہ پاؤں بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے۔

یہ بندہ مقرب ہے جس کی فضلیت خود اللہ ارشاد فرما رہا ہے۔ اور یہ حدیث کتب احادیث کی تقریباً گیارہ کتابوں میں موجود ہے۔

بہرحال! میں یہ عرض کہ رہا تھا کہ اللہ کی پہچان اللہ کے نبی، اور اللہ کے مقربین کے ذریعے ہوتی ہے۔ ذرا خیال فرمائیے! نبی پاک ﷺ کو معجزات مشہور ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ یہ معجزات انبیاء کو کیوں عطا کئے گئے۔ محض اس لئے کہ وہ ان معجزات کی بدولت میری پہچان کرائیں۔ بندہ جب خود اپنی عقل سے سوچتا ہے، عقل کی بدولت وہ اللہ کا عرفاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے عقل کے ذریعے سے خدا کا عرفان حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسے اللہ کی معرفت تبھی حاصل ہوگی۔ جب اس کی رہنمائی کرنیوالا کوئی اللہ کا محبوب ہوگا۔ ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط اپنے اپنے دور کے بڑے بڑے فلاسفر تھے۔ فلسفی کون ہوتا ہے۔ جو اپنی عقل کے زور سے مسائل حل کرنا چاہے۔ لیکن کیا عقل کے یہ فیصلے ہر جگہ تسلیم کئے گئے۔ ایک فلسفی نے کوئی بات کہی، دوسرا آیا اس نے اس کی بات رد کی۔ کہا کہ اس کی تحقیق غلط ہے میری تحقیق

درست ہے، اسی طرح تیسرا آیا اس نے بھی آ کر اپنی حقیقت منوانے کا زور لگایا۔ یہ ہے فلسفی جو اپنی عقل کے بل بوتے پر کائنات پر غور و خوض کرتا ہے اور انسانیت کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک ہوتا ہے نبی۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی علیہ الرحمہ

برسوں فلاسفہ کی چنان وچنیں رہی　　نبی کی بات جہاں تھی وہیں رہی

نبی نے جو بات ایک دفعہ فرما دی۔ پھر اس بات میں ردوبدل کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ تبدیل کرنے کی کوشش کرتا بھی کیوں! کیوں کہ وہ تو اللہ کی پہچان کرانے کیلئے آیا ہے اور وہ اللہ کی پہچان تبھی کرا سکتا ہے جب اس کی اپنی پہچان درست ہوگی۔ پھر جب اس نے اللہ کو پہچان لیا تو کائنات کی کونسی ایسی چیز ہے جو اس کی معرفت سے باہر رہ سکتی ہے۔ دنیا کا معنی ہوتا ہے 'گھٹیا چیز' 'ادنیٰ چیز'۔ ارے، جس نے 'اکبر' کو پہچان لیا اس کے دائرہ معرفت سے ادنیٰ کی کوئی چیز باہر رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ عقل نے بڑا شور کیا۔ بڑے حیلے کیے لیکن تھک ہار کہ اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو بات نبی نے کہہ دی ہے وہ غلط نہیں ہو سکتی۔

دوران تعلیم جناح اسلامیہ کالج میں ہمارے انگلش کے پروفیسر تجمل حسین اٹھو تھے۔ وہ خود کو فلاسفے کا بڑا نمائندہ سمجھتے تھے۔ اور میں ایک طالبعلم تھا، داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ مجھے مذہب کا نمائندہ خیال کیا کرتے تھے۔ ان کی بھی فلاسفیوں کی طرح خود یہ صورت حال تھی کہ بات کرتے کرتے اپنی بات سے پھر جاتے تھے کہ

ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، پھر توڑ دیتا ہوں　　کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو جائے

ایک فلسفی ہونے کے ناتے ان کی بھی یہ صورت حال تھی۔ بلکہ کبھی کبھار ایک فلسفی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

A philosopher is a blind man, looking for a blind cat, in a dark room, which is not there.

ایک فلسفی اندھا انسان ہوتا ہے۔ جو ایک اندھی بلی کو ایک تاریک کمرے میں تلاش کرتا ہے جبکہ وہ بلی وہاں نہیں ہوتی۔

بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہے فلسفیوں کا حال۔ لیکن اللہ کا نبی کون ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے ادوار میں نبی کا تعارف اپنے الفاظ میں کرایا ہے کہ

ا لنبوة التي تطلع على الغيب

کہ نبوت ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں انسان کو غیب دیکھنے والی آنکھ نصیب ہوتی ہے عقل جس مقام پر جا کہ اپنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے، مہر سکوت لئے چپ سادہ لیتی ہے نبی کی نبوت کا اس مقام سے آغاز ہوتا ہے۔ ایک فلسفی عذاب قبر کا انکار کرتا ہے تو اپنے اندھے پن کی حیثیت سے، اس کو کیا معلوم کہ قبر میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کے پیچھے عقل کی ٹامک ٹوئیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن نبی وہ برگزیدہ ہستی ہے کہ جو اپنے قیاس یا اندازے سے کوئی بات نہیں کہتا، سنی سنائی بات بیان نہیں کرتا۔ اس کے پیچھے عقل کے پیچ و خم نہیں ہوتے، وہ سب کچھ بذات خود دیکھتا ہے اور دیکھ کر بتاتا ہے کہ قبر میں کیا ہو رہا ہے۔ نبی کی فراست تو بڑی دور کی بات ہے یہاں تو اللہ کے نبی کی سواری کو یہ معلوم ہے کہ قبر میں کیا ہو رہا ہے۔ دیکھئے بخاری شریف۔ اللہ کے محبوب دراز گو پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں۔ صحابہ کرام ساتھ ہیں۔ دو قبروں کے پاس سے گذر ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا دراز گو بیخ پا ہونے لگتا ہے۔ حضور ﷺ صحابہ سے پوچھتے ہیں، جانتے ہو جانور کیوں دبکنے لگا۔ عرض کی گئی نہیں! آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ میرا جانور اس عذاب کو دیکھ رہا ہے جس کی بنا پر وہ خوف سے دبکنے لگا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے عذاب کی وجہ بھی بتائی کہ ایک چغل خور تھا جبکہ دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ پھر دونوں قبروں پر آپ نے تازہ شاخیں گاڑیں اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں ذکر خدا کرتی رہیں گی۔ صحبان قبر کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ حضرات! ایک درخت کی شاخ کو قبر پر گاڑھا جائے۔ وہ ذکر خدا کرے تو قبر والے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو اگر قبر پر رب کا قرآن پڑھا جائے پھر مردے کو فائدہ کیوں نہیں پہنچ سکتا۔

بہر حال! اللہ کا نبی اللہ کی پہچان کرانے کیلئے آتا ہے۔ پہچان بعض دفعہ شکل و صورت دیکھ کر ہو جاتی ہے، جن کے اندر فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ محض اللہ کے نبی کا چہرہ دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا نبی ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نبی کے اخلاق اور سیرت کو دیکھ اللہ کے نبی کو پہچان جاتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ شکل نہ صورت، نہ اخلاق و سیرت پر بھروسہ کرتے ہیں وہ طاقت

وقوت کو دیکھ کر یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی جس اللہ کا یہ نام لیتے ہیں ۔اسے قادر مطلق کہتے ہیں ۔اس اللہ کا نمائندہ بھی ایسی ہی طاقت والا ہونا چاہئے کہ جو طاقتیں اس کو اللہ نے عطا فرمائی ہیں کسی اور کو عطا نہیں فرمائیں ۔

ذرا غور فرمائیں! چاند، کافروں کا معبود ہے۔ جب اللہ کے نبی سے چاند کے ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ تو اس موقعہ پر کسی ابوجہل، ابولہب سے پوچھو کیا چاند کے دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں کہیں گے نہیں۔ اپنی عقل کے زور سے، عقل کی سند سے، اپنے مشاہدے، اپنے تجربے کی بنیاد پر اللہ کو ماننے والے کسی فلسفی سے پوچھو، کیا چاند کے ٹکڑے ہونا ممکن ہے، کہے گا نہیں، خدا کو ماننے والے اور نبی کو نہ ماننے والے جب اپنی عقل کے حوالے سے، اپنی سائنس کی بدولت، اپنے مشاہدے کی بدولت اس بات کا انکار اس دلیل کے پیش نظر، اس تصور کے بل بوتے پر کرتے ہیں کہ جو اصول، جو قوانین اس خدا نے ایک دفعہ نافذ فرمادیئے ہیں وہ اللہ خود بھی ان قوانین کی مخالفت کرتے ہوئے ان کو بدل نہیں سکتا۔ موجودہ دور کے منکرین حدیث چوہدری غلام احمد پرویز اور اس قسم کے اور نیچری قسم کے لوگوں نے معجزات کا انکار کیوں کیا؟ صرف اسلئے کہ اب یہ کام خدا بھی نہیں کر سکتا۔ **معاذ اللہ ثم معاذ اللہ**

حضرات محترم! جب یہ خام خیال ہو کہ چاند مخلوق تو ہے لیکن جو اس چاند کا خالق ہے وہ بھی اب اسے توڑ نہیں سکتا۔ آیا ان لوگوں نے اللہ کا عرفان حاصل کیا۔ انہیں معرفت خداوندی نصیب ہوئی۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ ارے، نبی اس دنیا میں اپنے خالق کی پہچان کرانے کیلئے آیا ہے۔ تو جب نبی بھی چاند کے دو ٹکڑے نہیں کرے گا۔ لوگ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے تو لوگ یہ بات کیسے تسلیم کریں گے کہ جس خدا نے یہ کچھ بنایا ہے وہ سب کچھ کر بھی سکتا ہے۔ انبیاء کو معجزات و کمالات تو ملے ہی اس لئے ہیں تا کہ لوگ ان سے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ تسلیم کرلیں کہ جب اللہ کا نبی چاند کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے وہ خدا کیوں نہیں کر سکتا؟ پھر اللہ کا بندہ چاند کے دو ٹکڑے کیوں کر پاتا ہے، وہی حدیث پیش نظر کہ **یدہ التی یبطش بھا** جب اللہ کا نور جلال بندے کے ہاتھ میں آجاتا ہے پھر کائنات کا کوئی ایسا کام نہیں جو اس کے اشارے سے سرزد نہ ہو اور کائنات کی ہر قوت وطاقت اس بندہ مقرب کی طاقت کے سامنے ہیچ ہے۔

حضرات محترم! میں ابھی آپ کے سامنے انبیاء کی بعثت کا ایک بدیہی سا مقصد بیان کر رہا ہوں اگر آپ غور فرمائیں تو یہ سب باتیں متنازع فیہ نہیں یہ تو متفق علیہ باتیں ہیں کہ مقام نبوت کیا ہے؟ اللہ کے نبی کے پاس کیسی اور کتنی طاقت وقوت ہونی چاہئے۔ ہم یہ بات بھی کہیں کہ نبی اس خدائے وحدہ لاشریک اور قادر مطلق کا بھیجا ہوا ہے، ساتھ میں نبی کی طاقت کو اپنی طاقت کے برابر گردانیں تو پھر یہ بات کیسے معلوم ہوگی کہ وہ نبی قادر مطلق کا مبعوث ہے۔ رسول کو تو تم مانتے ہو لیکن کس حیثیت سے مانتے ہو۔ رسول کا معنی ہے بھیجا ہوا۔ کس کا، خدائے قادر مطلق کا۔ تو جب قادر مطلق کا بھیجا ہوا ہے تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی انبیاء اس کائنات میں تشریف لائے ہیں وہ سب کے سب اپنے رب کی پہچان کرانے کیلئے آئے ہیں، اللہ کے اخلاق کریمانہ اور اس کی رحمت وبرکت کی پہچان کرانے کیلئے آئے ہیں۔ اور یہ بات یاد رکھیں انبیاء علیہم السلام کے متعلق جتنے بھی عقائد ہیں یہ سب عقائد اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کو ظاہر کرنے والے ہیں مثلاً اس بات پر غور فرمائیں کہ اللہ گنہگار کو بخش سکتا ہے، کس گنہگار کو جس کو بھی چاہے بخش دے ہاں اس رب نے ایک قانون ضرور بنالیا ہے کہ

ان اللہ لا ینضر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک من یشاء

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کے سوا ہر ایک کی مغفرت فرمادے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں بخشش سے محروم کافر و مشرک دونوں ہیں۔ ان دونوں کے سوا جس کو چاہے وہ رب بخش سکتا ہے۔ اب آیئے اس رب کائنات کے نائب ومظہر کی طرف سرکار دوعالم ﷺ کی شفاعت کیا کہتی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں

شفاعی لا ھل الکبائر من امتی

میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہے

اب جب کہ اللہ کافر ومشرک کو نہ بخشے تو نبی بھی کافر و مشرک کی شفاعت نہیں فرمائے گا۔ جب کفر وشرک کے سوا تمام گناہ شفاعت مصطفوی ﷺ کے دائرے میں آسکتے ہیں۔ سرکار دوعالم نور مجسم علیہ التحیۃ والثناء کا دائرہ شفاعت تو ہے ہی بہت بڑا جس طرح رب ذوالجلال کی رحمت کو شمار نہیں کیا جا سکتا

اسی طرح اسکے نبی مکرم ﷺ کی شفاعت کا بھی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ لوگ اپنی ہٹ دھرمی یا کج فہمی کی بنیاد پر اس بات کو نہ مانیں تو جائیں جہنم وگرنہ حدیث رسول ﷺ اس بات کی بین ثبوت ہے کہ ایک باعمل حافظ قرآن بروز قیامت اس قدر عزووقار کا حامل ہوگا کہ اسکے والدین کے سروں پر سونے جیسے چمکتے ہوئے سورج کی مانند تاج رکھے جائیں گے اور وہ حافظ قرآن اپنے خاندان کے ان دس افراد کی شفاعت کرے گا۔ جن کیلئے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔ ارے جب ایک حافظ قرآن کا یہ رتبہ وہ مقام ہے۔ قرآن جس کی بدولت اس حافظ کو عزت ملی ہے اور جس محبوب پہ یہ قرآن نازل ہوا ہے اس محبوب دلربا کی شفاعت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

حضرات گرامی! ہمارے آقا ومولا حضور احمد مجتبیٰ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ چلتا جاتا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اب ہمیشہ کیلئے حضور ﷺ رسول ہیں اور آپ ﷺ کی ہی حکومت ہے۔ اب حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی تو نہیں آئے گا لیکن اب رب کے کرم کا ظہور اور اس کی معرفت نبی کونین ﷺ کی نیابت امت مصطفیٰ ﷺ کے اولیاء کے سپرد ہوگئی۔ یہ سب اولیاء نبی کی نیابت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے دین حق کی ترجمانی کریں گے۔ دین اسلام کی اشاعت کریں گے۔ جس طرح نبی کے معجزے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے عین اسی طرح ولی کی کرامت سے بھی اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ان اللہ والوں کی کرامات اور ان کے تصرفات سے انسان کی قدرت کاملہ پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ جناب ڈاکٹر قمر تابش صاحب علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پیر ومرشد کے والد ماجد علیہ الرحمہ ایک دفعہ کسی راستے سے تشریف لے جارہے تھے وہ ایک نیم مجذوب بزرگ تھے۔ راستے میں ایک شخص، ہندو جوتشی سے پوچھ رہا تھا کہ بتاؤ بارش کب ہوگی؟ وہ ہندو علم نجوم کے اعتبار سے اپنے حساب کتاب لگا کر، رائج بنا کر بتایا تھا کہ بارش نہ آج ہوگی، نہ کل ہوگی، نہ پرسوں، اتنے میں بزرگ قریب سے گزر رہے تھے کہ وہ فرمانے لگے۔ ارے یہ کیا جانے بارش کب ہوگی۔ لو وہ دیکھ برکھا اٹھی، اٹھی، اٹھی، اٹھی کہتے ہیں جہاں انہوں نے اپنی انگلی کا اشارہ روکا، بارش شروع ہو چکی تھی۔ یہ سب کچھ کیوں ہے اور کیسے ہے، کیوں کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کا تعلق اس اللہ سے ہے جو قادر مطلق ہے اور اس قادر مطلق نے اپنے ان بندوں کو اپنی قدرت ومعرفت کا اظہار کرانے کیلئے طاقت وقوت سے سرفراز فرمایا ہے اور جو اس رب کو قادر مطلق نہیں مانتے ان کا یہی وہم باطل ہے کہ وہ رب بھی قانون فطرت کے خلاف کام نہیں کرسکتا۔

ہندوستان میں سوامی دیانند، نامی ایک ہندو تھا اس نے ایک کتاب، ''ستیارتھ پرکاش'' لکھی جس میں اس بدبخت نے دنیا کے بقیہ مذاہب پر بڑے بڑے عجیب اعتراضات کئے اور ایک باب میں اس نے اسلام پر بھی اعتراض کئے۔ اس نے لکھا کہ یہ جو قرآن جس میں آیا کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو ارشاد فرمایا کہ پتھر پر اپنا عصا مارو، پھر عصا مارنے سے بارہ پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ نہیں ہوسکتا ایک عصا مارنے سے بارہ چشمے بیک وقت کیسے پھوٹ سکتے ہیں۔ یہ کام تو ہمارا خدا 'ایشور' بھی نہیں کرسکتا۔ اس ہندو کی اس کتاب کا جواب حضرت نعیم الدین مراد آبادی نے لکھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عصا مارنے سے پانی کے بارہ چشمے نہ پھوٹیں اپنے بنائے ہوئے قوانین کو نہ توڑنا یہ تمہارے خدا 'ایشور' کا کام ہوگا۔ اس کی طاقت اسی قدر ہوگی۔ ہمارا رب تو وہ ہے جو قادر مطلق ہے۔ وہ اگر کائنات کے وجود کو آباد کرسکتا ہے تو برباد بھی کرسکتا ہے۔ پھر آپ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ پنڈت جی نے رب کی قدرت کاملہ کا یہ جو انکار کیا ہے، اس خیال سے کیا ہوگا کہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر سے باہر آئیں گے تو نہ اس کا جواب دے کر مجھے ذلیل کریں گے مگر اس بدبخت کو کیا معلوم کہ رب کے پاک بندے اب بھی اس کو ذلیل کرسکتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بیان فرمایا کہ امروہہ میں حضرت شاہ سلامت علیہ الرحمہ کے مزار پر چلے جاؤ، وہاں تمہیں بے شمار بچھو رینگتے پھرتے نظر آئیں گے۔ ایک بچھو کی فطرتاً عادت ڈنگ ماردینا ہے۔ ہاتھ پہ رکھو فوراً ڈنگ ماردے گا۔ بلکہ بعض دفعہ تو پتھر پہ بھی ڈنگ ماردیتا ہے۔ کیونکہ قدرت نے اس کی فطرت میں ڈنگ مارنا لکھ دیا ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس پاک بندے کے مزار پہ چلے جاؤ، بے شمار بچھو تمہارے اردگرد رینگتے ہوں گے۔ تم انہیں ہاتھ پہ رکھو ان کو لیکر گلے کا ہار بنالو، کچھ بھی کرلو، تمہیں ڈنگ نہیں مارے گا۔ کیوں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ اللہ ذوالجلال سب کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن اس کی عظمت وقدرت کا ظہور اللہ والوں سے ہوتا ہے۔

اب ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ کا ظہور اللہ والوں سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ بازار سے گزر رہے تھے ایک عیسائی مسلمان آپس میں بحث ومباحثہ کررہے تھے عیسائی، مسلمان کو کہہ رہا تھا

کہ تمہارا قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا ہے کیا تمہارے نبی نے بھی مردے زندہ کئے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے مردوں کو زندہ فرمایا ہے۔لیکن وہ مدمقابل مسلمان اپنی کم علمی کی وجہ سے کچھ لاجواب سا ہو رہا تھا حضرت غوث پاک علیہ الرحمہ نے پوچھا بھئی کیا بات ہے عیسائی کہنے لگا کہ میں نے اس سے یہ سوال کیا ہے۔آپ علیہ الرحمہ فرمانے لگے مسلمانوں کے نبی جناب احمد مجتبیٰ کریم ﷺ کا مردوں کو زندہ فرمانا ایک بڑی بات ہے اگر میں تمہارے سامنے مردے کو زندہ کر دوں تو تم مان لو گے کہ واقعی مسلمانوں کا نبی ہمارے نبی سے زیادہ شان و عظمت والا ہے۔ کہنے لگا یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی اگر آپ زندہ کر دیں۔آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا چل،اور ایک ایسی قبر پر لے جا جو تیرے خیال میں بڑی پرانی ہو۔وہ شخص چلا اور ایک ایسی قبر پر جا کر ٹھہرا جو بظاہر قبر معلوم نہ ہوتی لیکن وہ اسکے خیال میں قبر تھی ۔آپ نے قبر پر جا کر ارشاد فرمایا **قم باذنی** اٹھ میرے حکم سے قبر پھٹی مردہ قبر سے باہر آیا۔آ کر کہنے لگا۔کیا قیامت برپا ہو گئی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔صرف اس شخص کو بتانے کیلئے۔جاؤ واپس چلے جاؤ۔

اب بتایئے اسلام کو اس انداز کی کتنی ضرورت ہے کہ اگر اسلام کی قوت انبیاء کے معجزات کے ذریعے سے ہوتی ہے تو اولیاءاللہ کی کرامات سے کیوں نہیں ہوتی۔اور میں یہ بات کیا کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ جو قم باذن اللہ فرمایا کرتے تھے، قم باذنی (میرے حکم سے اٹھ) کیوں نہیں فرمایا کرتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ چند سالوں کے بعد لوگ مجھے خدا تصور کرنے لگیں گے اور میرا یہ قول ان کے قول باطلہ کی تردید ہوگا۔اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہٗ نے قم باذنی (میرے حکم سے اٹھ) کیوں فرمایا اسلئے کہ آپ جانتے تھے کہ ایک ناہنجار طبقہ اس بات کا ڈھنڈورا پیٹے گا کہ اللہ کے ولی کچھ نہیں کر سکتے میرا یہ قول ان کے قول کی تردید ہوگا۔میرا دل یہ بات کہتا ہے کہ جناب غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس عیسائی کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسلام کی طاقت و قوت کس حد تک ہے اور میرا،میرے نبی سے کیا تعلق ہے۔میرا نبی اللہ کا نائب ہے اور نبی کا اذن اللہ کا اذن ہے اور میں اپنے نبی کا نائب ہوں اور میرا اذن میرے نبی کا اذن ہے۔پھر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہٗ کے اس انداز کا نتیجہ کیا نکلا کہ

فاسکم علیٰ یہ الغوث الاعظم

وہ عیسائی فوراً آپ کے دست مقدس پہ مسلمان ہو گیا۔

بہر حال حضرات محترم آخری بات کر کے اجازت چاہوں گا۔حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ہر فن کسی نہ کسی ماہر فن سے سیکھا جاتا ہے۔یہ جو رب کائنات نے ارشاد فرمایا ہے

وما خلقت الجن والانس الایعبدون

میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا ہے

یہ عبادت بھی ایک فن ہے اس فن عبادت کو سیکھنے کیلئے ہم اولیاءاللہ کے پاس جاتے ہیں اسی بات کو مولانا روم ارشاد ہے

ہیچ چوبے خود بخود میز نہ شد | ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ حلوائی نہ شد استاذ کار | تا کہ شاگرد شکر ریزے نہ شد

کوئی لکڑی خود بخود میز نہیں بن جاتی،کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن جاتا اور کوئی شخص اس وقت خود بخود حلوائی نہیں بن جاتا جب تک وہ کسی حلوائی کا شاگرد نہ بنے

اور مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم | تا غلام شمش تبریزے نہ شد

اور یہ جو تم مولوی روم مولوی روم کہتے پھرتے ہو یہ مولوی روم خود بخود نہیں بنا یہ شمس تبریزی کی نظر سے بنا ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم٥

حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کا تحریک پاکستان میں کردار

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

پس منظر: ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد مسلمان انگریزوں کو بری طرح کھٹکنے لگے۔ غاصب فرنگیوں نے ان سے حکومت واقتدار چھینا تھا، اب عقائد، تہذیب وتمدن اور جداگانہ تشخص کو بھی ملیامیٹ کرنے کے درپے ہوگئے۔ ہندو صدیوں تک ان (مسلمانوں) کے زیرنگیں رہے تھے انہیں اپنی کدتھی۔ دونوں دشمن (انگریز اور ہندو) اکٹھے ہوکر برصغیر سے اسلام کا نام ونشان مٹانے کے لئے سازشوں کے جال بننے لگے۔ مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط ہونے لگیں۔ ان کے سینکڑوں دینی مدارس تباہی کی زد میں آگئے۔ اور بہت حد تک ان پر ملازمتوں کے دروازے بند کردیئے گئے۔ بعض وہابی علماء کو خرید کر جہاد کی منسوخی کے فتوے تیار کرائے گئے (تاکہ کائنات کو پیغام آزادی دینے والے آقا علیہ التحیۃ والثنا کے امتی انگریزوں کی ابدی غلامی پر راضی رہیں) پھر اسی مقصد کے لئے اپنے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی سے دعویٰ نبوت کرایا۔ ان ناپاک منصوبوں کو اور منظم کرنے کے لئے ایک انگریز ہیوم نے (۱۸۸۵ء) میں نیشنل انڈین کانگرس کی بنیاد رکھ دی۔ مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ کانگرس اپنے دعوے کے بر عکس سب اہل ہند کی نہیں بلکہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے تو ۱۹۰۶ء میں انھوں نے بھی مسلم لیگ بنالی۔ ابتداء میں نہ یہ جماعت فعال تھی اور نہ اس کے لیڈر دشمنوں کی تاریک ذہنیت کو سمجھنے کے اہل تھے۔ چنانچہ مخالفین اسلام اپنے ناپاک منصوبوں کی تکمیل کی طرف بے روک ٹوک بڑھتے چلے گئے۔ گاندھی جیسے شاطر ومنافق نے کانگرس کی قیادت سنبھالی تو شرارتوں کی انتہا ہوگئی۔ اس نے بڑے بڑے دیوبندی اور دیگر وہابی علماء کو بھی خریدلیا۔ بدبخت گاندھی مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے عربی ناموں کی تحریکیں مثلاً تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات چلا کر انھیں بدترین معاشی ومعاشرتی حالات سے دوچار کرتا رہا اور ضمیر فروش ملا آیتوں اور روایتوں کے غلط ترجمے[1] سنا سنا کر اس کی تائید کرتے رہے یعنی جو تباہی ہندوؤں اور انگریزوں کے ہاتھ سے بھی مشکل تھی، ان شیخ التفسیروں اور شیخ الحدیثوں نے آسان بنادی آزمائش کے اس نازک ترین دور میں اسلام کی خیر خواہی اور ملت کی رہنمائی کا حق جس گروہ نے بہترین علمی انداز میں ادا کیا وہ مجدد دین وملت اعلیحضرت مولٰنا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ علماء ومشائخ اہل سنت تھے (علیھم الرحمۃ والرضوان) سب سے پہلے فاضل بریلوی ہی نے اپنی تحریر وتقریر

---

[1] انہیں بزرگوں کے بارے میں اکبر آلہ آبادی نے فرمایا تھا

یہ کانگرسی ملا، کیا پوچھتے ہو، کیا ہیں گاندھی کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہیں

یہی وہ علماء تھے جنھوں نے خدا اور رسول خدا (جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کو پس پشت ڈالتے ہوئے گاندھی کی رضا کو قبلہ مقصود بنایا اور اسی بدبخت کو خوش کرنے کے لئے اسلامی شعائر تک کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ اپنے ماتھوں پر قشقہ (تلک) لگایا جو ہندوؤں کا مذہبی شعار ہے۔ گائے کی قربانی ترک کرانے کے لئے فتویٰ فروشی کی۔ مشرکوں کی جے پکاری۔ رام چھمن پر پھول چڑھائے۔ رامائن کی پوجا میں شریک ہوئے۔ ارتھی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ پہنچائی۔ مسجدوں میں مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور تعزیت کے جلسے کیئے۔ اللہ جل جلالہ کو رام کہا (معاذ اللہ) خطبہ جمعہ میں مشرک کی تعریف کی۔ دسہرے میں شرکت کی۔ سنکھ بجایا۔ قاتل مشرکوں کی رہائی کی کوشش کی اور قربانی کی گائے زبردستی چھین کر گئوشالہ پہنچائی۔ ویدکو الہامی کتاب تسلیم کیا لفظ کرشن جی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب مانا گیا۔ خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی مروج کرنے کی کوشش ہوئی۔

میں گاندھی کے مکروفریب کا پردہ چاک کیا[1] (اوراس دور میں شاید مشکل ترین کام یہی تھا کیونکہ زرخرید علماء نے اس کی اسلام دوستی کے افسانے سنا سنا کر اسے امت مرحومہ کا سب سے بڑا خیر خواہ منوانے کی کوششیں کی تھیں اوراس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہو چکے تھے لہٰذا عام مسلمان رہنما جو گاندھی کی چالوں سے واقف نہ تھے، کھلم کھلا اس کی مخالفت کی جرات نہیں کرتے ہیں)

حیرت ہے کہ فاضل بریلوی اور دیگر علماء ومشائخ علیہم الرحمۃ کی پیشگوئی اور فراست دینی کے مطابق جب ان تحریکوں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو اکثر و بیشتر مسلمان گاندھی کی اسلام دشمن ذہنیت کو سمجھ گئے اور ہندو مسلم اتحاد کے گاندھوی نعرے کی حقیقت پہچان کر اس سے الگ ہو گئے مگر دیوبند اور جمعیت العلمائے ہند کے اکابر پھر بھی اپنی غلط روش سے باز نہ آئے۔[2] بلکہ کانگرس کا حق نمک ادا کرتے ہوئے ہر اس شخص پر جسے اسلام کا وفادار پایا۔ مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لئے 'کفر' کے فتوؤں کی بوچھاڑ کردی۔ اعلیٰحضرت بریلوی کو 'انگریز کا تنخواہ دار' علامہ اقبال کو اسلام سے نا آشنا، اور قائداعظم کو 'کافر اعظم' کہا گیا (معاذ اللہ) مگر خدا کی قدرت جمہور اہل اسلام اپنے چشم دید حقائق کی روشنی میں اور مشائخ اہل سنت کی رہنمائی سے ان دین فروش قوم پرست ملاؤں کے فتوے ان کے منہ پر مار کر دھڑا دھڑ مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے۔ قائداعظم علیہ الرحمہ اپنوں کی بے حسی سے بددل ہو کر انگلینڈ چلے گئے تھے، پھر حضرت اقبال کے کہنے پر آئے اور دوبارہ ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کی صدارت پر فائز ہوئے، بلکہ واپسی کا اصل سبب خود ان کی روایت کے مطابق یہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ظاہر ہو کر انہیں واپسی کا حکم دیا اور کامیابی کا ذمہ لیا۔ اب چونکہ عموماً فرزندان توحید اپنوں بیگانوں کو پہچان چکے تھے اور صوفیائے کرام جن کے آباو اجداد نے برصغیر کو دین حق کے انوار سے روشن کیا تھا کی کوششوں سے عام مسلمان بیدار ہو چکے تھے لہٰذا یہ قافلہ آزادی اب آگے کی طرف گامزن رہا۔ قدم بقدم نئی کامیابیوں سے حوصلے بڑھتے رہے اور دو قومی نظریے کی بنا پر تقسیم ملک کی منزل قریب نظر آتی گئی۔

۱۹۴۰ء میں جب قرارداد لاہور کے ذریعے مسلمانان برصغیر نے ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کا فیصلہ کیا تو اس وقت سیدی ومرشدی حضور نقش لاثانی کو سجادہ نشین ہوئے چھ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے۔

۴۶-۱۹۴۵ء کے موسم سرما میں جداگانہ انتخابات کا اعلان ہوا۔ اب تک حضور کے جن دوروں کا ذکر اوپر آیا ان کی نوعیت تبلیغی ہی نہیں بلکہ یوں سمجھئے قوم کی بیداری کے لئے رابطہ عوام مہم کی بھی تھی۔ (اوراس دور میں تبلیغ کا اہم عنوان بھی تو یہی تھا کہ اپنی قوم کو دو قومی نظریے کی اہمیت بتا کر اسلام و کفر کا امتیاز جتا دیا جائے اور جو وہابی دیوبندی علماء گاندھی کے فلسفہ 'مکر' کے مطابق خدا پرستوں اور بت پرستوں کو ایک ہی قوم قرار دے رہے

---

[1] اور کتاب وسنت کی روشنی میں مشرکوں اور غیر مسلموں کے ساتھ دوستی نہ رکھنے کا مسئلہ واضح کیا۔ گاندھی پرست علماء کو آپ فرقہ گاندھویہ سے تعبیر فرماتے تھے غرض گاندھی جس مکر فریب سے اسلام اور اہل اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا تھا۔ اس کی تکمیل کی کوششیں دیوبندی اور اہل حدیث علماء کے 'وسیلے' سے کی گئیں۔ اور ان کا توڑ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ مشائخ وعلماء نے کیا۔ اہل سنت کے وہ حضرات جو پہلے پہل گاندھی کی چال میں آگئے تھے مثلاً مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی سب نے آخر میں توبہ کرلی اور کھلم کھلا گاندھی سے بیزاری کا اظہار کیا۔ ذرا سوچئے اس وقت مجدد ملت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی اور ان کے ساتھی میدان میں نہ آتے اور وہ بت پرست قوم کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے تو آج برصغیر میں اسلام کی کیا صورت ہوتی۔ آج تاریخ بدلنے کی ناپاک کوششیں عروج پر ہیں اور جنھوں نے یہاں اسلام دشمنوں کا آلہ کار بن کر مسلمانوں کو بدترین گمراہی اور بدترین انجام سے دوچار کرنا چاہا، اندھا مورخ انہیں کو قومی ہیرو کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ سوچیں تو آج اس سے زیادہ خطرناک زہر کوئی نہیں۔

[2] اور آج تک یہی حال ہے تقسیم ملک کو اوپرے دل سے ہی سہی گاندھی، نہرو اور پٹیل جیسے متعصب ہندوؤں نے بھی قبول کرلیا مگر جمعیۃ العلماء ہند نے پھر بھی اس سے اختلاف کیا اور اسے انڈین نیشنل کانگرس کی عظیم الشان تاریخ میں اس کی زبردست غلطی کہا (دیکھئے متحدہ قومیت اور اسلام از مولانا حسین احمد مدنی صفحہ ۲) پیپلز پارٹی کے پہلے دور حکومت میں مفتی محمود دیوبندی نے بھی اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا تھا خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہوئے۔ افسوس قوم کو ماضی سے بے خبر رکھا جا رہا ہے اور جان بوجھ کر ایک نئی تاریخ گھڑی جا رہی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت سب پاکستان کے حامی تھے جب کہ علماء دیوبند اور غیر مقلد حضرات میں دو چار کے سوا کوئی بھی مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوا اسی پس منظر میں ایک بار حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں 'وہابیت' کہا جاتا ہے، اس موقع پر کسی نے عرض کیا کہ چونکہ اہل حدیث اقلیت میں ہیں اور اپنے عقائد میں بڑے متشدد، لہٰذا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں جواب میں علامہ نے فرمایا یہ بھی تو اور امر بھی افسوس ناک ہے عقائد میں تشدد تعصب اور تنگ نظری اگر اسلام کے لئے ہے تو بڑی مبارک بات ہے، لیکن اگر اس لئے ہے کہ اہل حدیث سواد اعظم سے کٹ جائیں اور امت کی وحدت درہم برہم ہو جائے تو از حد قابل افسوس۔ یہ کیسی انگریز دشمنی ہے کہ ان کی مخالفت میں ہم اسلام کا پاس رکھیں نہ مسلمانوں کے مستقبل کا بلکہ انہی کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے۔ کیا اسی کا نام وہابیت ہے مجھے معلوم نہ تھا وہابیت یہ کچھ ہے (اقبال کا آخری معرکہ بحوالہ اقبال کے حضور)

تھے، ان کی 'شرک آلود' فکر سے ملت کو آگاہ کیا جائے۔) جس رات انتخابات کا مذکورہ اعلان ہوا، حضور سرہند شریف کے سفر میں تھے اور ایک روایت کے مطابق فقیر کے پہلے گاؤں بکنور تحصیل پٹھانکوٹ (ضلع گورداسپور) میں تشریف فرما تھے۔ خبر سنتے ہی آپ نے سرہند شریف کی حاضری کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس دربار شریف آکر مسلم لیگ کی حمایت پر کمر بستہ ہوگئے۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں جہاں جہاں بھی یارانِ طریقت موجود تھے، دور دراز کا سفر طے کر کے انہیں زبانی یا حسب ضرورت خطوط وغیرہ لکھ کر مسلم لیگ کی پرزور حمایت کی تلقین فرمائی۔ یہ عمومی توجہ تھی اور خصوصی توجہ شکر گڑھ اور نارووال کے حلقوں پر مرکوز رکھی۔ اول الذکر حلقے میں مسلم لیگ کا امیدوار عبدالغفور قمر (ایڈووکیٹ) بہت حد تک غیر معروف تھا اور اس کا مقابلہ علاقے کی جانی پہچانی شخصیت عبدالرحیم چودھری آف مینگڑی سے تھا جو یونینسٹ امیدوار تھا۔ جسے قوم وملک کی آزادی کی بجائے انگریزوں کی غلامی سے عشق تھا۔

اس کی پوزیشن اس لیے بھی مضبوط تھی کہ اس کا سسر چودھری سلطان علی آف گمٹالہ بہت بڑا سیاستدان تھا اور علاقے میں اس کو وقار و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا (آہ وہ شخص کتنا بدنصیب اور خطرناک ہے جو اپنی قوم میں ہردلعزیز ہو کر اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے، فرمایئے 'غداری' کیا کسی اور بلا کا نام ہے مگر ایک چودھری پر کیا موقوف، اس وقت تو بڑے بڑے خطیب [1] اپنا ایمان کفر وشرک کے تھان پر قربان کر رہے تھے اور دوسروں کا کرنا چاہتے تھے) نارووال کے حلقے مسلم لیگ کی طرف سے وہاڑی کے باشندے عظیم مسلم لیگی رہنما میاں محمد ممتاز خاں دولتانہ امیدوار تھے اور ان کا مقابلہ یونینیسٹ امیدوار شاہنواز سے تھا (جو اسی علاقے کا باسی تھا۔)

حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے دن رات ایک کر کے دونوں حلقوں خصوصاً شکر گڑھ کے چپے چپے کا دورہ کیا۔ چونکہ تحصیل بھر میں یاران طریقت کی بھاری اکثریت ہے لہذا رابطے کو وسیع اور دشمن کو غیر موثر کرنے کے لئے آپ نے مختلف تدابیر اختیار فرمائیں، مثلاً

۱۔ گاؤں گاؤں بلکہ بعض مقامات پر گھر گھر جانے سے بھی گریز نہ فرمایا۔ جس کے بارے میں بھی اطلاع ملتی کہ اس کا دل مسلم لیگ سے صاف نہیں ہے، انفرادی طور پر بھی اسے سمجھا دیا جاتا۔

۲۔ مختلف دیہات کو ایک ذیلی حلقے کی شکل دے کر جلسے کا انعقاد بھی کیا جاتا۔ حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے دامن سے وابستہ علماء وخطباء کی کوئی کمی نہیں تھی، چنانچہ سلطان المناظرین حضرت علامہ محمد مسعود احمد الہڑوی علیہ الرحمہ، شیر پنجاب مولانا محمد یوسف صاحب سیالکوٹی، خطیب پاکستان صوفی غلام حسین صاحب مداسی ثم گوجروی جیسی شخصیات تو حلقہ بگوشوں میں تھیں ان کے علاوہ مشہور مسلم لیگی لیڈر عطاء اللہ جہانیاں (جس کے والد ماجد حضور شاہ لاثانی کے مرید تھے) اور ماہر علوم شرقیہ وغربیہ مولانا بشیر احمد صاحب اخگر جیسے شعلہ نوا خطیب بھی اکثر ہمسفر رہتے تھے۔ (یہ خود چودھری سلطان علی کے گمٹالے سے تعلق رکھتے تھے مگر علم وفضل، قوت استدلال اور جوش خطابت نے انھیں اس دور میں پاکستان کا عظیم ترجمان بنا دیا تھا۔ مکان شریف میں جب ایک بار ایک طرف عطاء اللہ شاہ بخاری گرج گرج کر گاندھی کے خطبے پڑھ رہے تھے تو دوسری طرف جناب اخگر کی آتش بیانی اہل ایمان کی غیرت کو فروزاں کر رہی تھی، کہتے ہیں آدھ گھنٹے کے اندر اندر بخاری صاحب کے سامعین انھیں تنہا چھوڑ کر ان کے جلسے میں آگئے

---

[1] جناب اصبہانی نے اپنی کتاب 'قائداعظم میری نظر میں' ایک واقعہ تفصیل سے لکھا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے لاہور کے جلسے مفتی کفایت اللہ مولانا حسین احمد مدنی نے مسلم لیگ کے حق میں پراپیگنڈا کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے مانگے قائداعظم نے انکار کیا تو یہ رفتہ رفتہ کانگرس کی حمایت پر اتر آئے جوان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی (اقبال کا آخری معرکہ) گویا ایمان فروختند وچہ ارزاں فروختند۔ ایک اور احراری نے ایک جلسہ عام میں اسی نقطہ نظر سے قائداعظم کو یوں مخاطب کیا تھا، میری گھگری نوں گھنگرو لوادے جے توں میری ٹور دیکھنی (اقبال کا آخری موکہ بحوالہ عطاء اللہ شاہ بخاری از شورش)

اور اگلے دن نوائے وقت کی اہم سرخی کچھ ایسی تھی کہ مسلم لیگ کے شیر نے احراریوں کے امیر شریعت کو بھگا دیا) ڈیرہ بابا نانک کے حلقے میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر زمیندار نے بھی تین چار دن آپ کے ساتھ سفر کیا اور حضور کی زیر صدارت مختلف جلسوں کو اپنے مجاہدانہ خطابات سے نوازا۔ (حاجی محمد مقبول احمد صاحب جو ان جلسوں بلکہ ساری انتخابی مہم میں شریک رہے، مولانا کے انداز بیان سے آج تک متاثر ہیں)

ان جلسوں کا اہتمام مسلم لیگ کے امیدوار کے ذمے نہیں تھا بلکہ یاران طریقت حضور قبلہ عالم علیہ الرحمۃ کو دعوت دیتے اور یوں ان کی پذیرائی سے اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا۔ حاجی صاحب موصوف کی روایت کے مطابق حضرت والا درجت نے غالباً ایک بار پانی کے ایک گلاس کے سوا اس کے ہاتھ سے کبھی کچھ بھی نہ کھایا پیا[1]۔ بعض دفعہ ان شدید مصروفیات میں کافی دیر تک بھوک پیاس بھی برداشت کرنی پڑتی۔ حاجی صاحب بقول خود اپنی جیب میں کبھی بھنے ہونے چنے بھی ڈالے رکھتے تھے اور کبھی کبھی خود امیدوار صاحب بھی بھوک سے بیتاب ہو جاتے تو انھیں چنوں پر بسر اوقات فرماتے)

۳۔ اس انتخابی مہم میں حضور نے خانوادۂ لاثانی کے دوسرے صاحبزادوں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا (یعنی باقاعدہ انھیں دعوت دے کر مسلم لیگ کی حمایت کا پروگرام بنایا اور شکر گڑھ میں ان سے بھی کام لیا۔ یہ یقیناً خوشی کی بات ہے کہ شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی ساری اولاد پاک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق تحریک پاکستان میں خوب حصہ لیا اور مسلم لیگ کی حمایت میں پورا زور لگا دیا۔

۴۔ پولنگ شروع ہوئی تو جہاں ضرورت محسوس ہوئی حضور خود مسلم لیگ کے پولنگ ایجنٹ بن گئے[2]۔ اس دور میں آج کی طرح سارے ملک میں ایک ہی دن میں انتخابات مکمل نہیں ہو جاتے تھے بلکہ ایک حلقے میں مختلف پولنگ اسٹیشن ہوتے تھے اور باری باری ان میں پولنگ ہوتی تھی۔ مثلاً حاجی محمد مقبول صاحب کی یادداشت کے مطابق تحصیل شکر گڑھ میں چار پولنگ اسٹیشن تھے، ۱بھجنہ، ۲۔ گمٹالہ، ۳۔ دودھو چک ۴۔ لیسر۔ تو گویا یہاں کا الیکشن بھی چار دن میں ختم ہوا۔ گمٹالہ میں دوسرے دن پولنگ تھی۔ یہاں جب پولنگ شروع ہونے لگی تو چودھری سلطان علی ووٹ بکس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا تا کہ اپنے علاقے کے ووٹروں کو متاثر کر سکے۔ حضرت نے یہ صورت حال دیکھی تو ساتھ ہی دوسری کرسی منگوا کر بیٹھ گئے۔ سلطان علی لاکھ موثر و ہردلعزیز یا مہیب سہی مگر مرد حق کے سامنے اس کی کیا پیش جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس کے ساتھی بہت جلدی ختم ہو گئے مگر آل رسول کے غلام بہت دیر تک ووٹ ڈالتے رہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ: ان انتخابات میں آج کل کی طرح ووٹر خود پرچی (بیلٹ) پر نشان لگا کر صندوقچی میں نہیں ڈالتا تھا بلکہ الیکشن افسر کو اپنے امیدوار کا نام بتاتا، وہ نشان لگاتا اور بکس میں ڈال دیتا۔

اتفاق سے سب سے پہلے جو ووٹر اندر آیا وہ موضع بوعہ کا سلطان علی تھا۔ یہ حضور نقش لاثانی کا مرید اور اس سے پہلے سلطان علی کا داماد تھا۔ ووٹ ڈالتے وقت اسے معلوم تھا کہ ایک طرف پدر روحانی یعنی مرشد ذی وقار ہے تو دوسری طرف پدر نسبتی یعنی سسر۔ پولنگ افسر نے امیدوار کا نام پوچھا تو اس نے کچھ آہستہ آواز میں کہا "عبدالغفور"۔ افسر ہندو تھا اور ذہنی طور پر اسے مسلم لیگ سے دشمنی تھی اس لئے اس نے عبدالرحیم کے نام پر نشان لگا دیا۔ حضور نے فرمایا۔ اس سے دوبارہ پوچھ، پوچھا گیا تو اب اس نے بڑی وضاحت سے عبدالغفور کہا۔ افسر نے دوسری پرچی لی اور اس پر درست نشان لگا کر بکس میں ڈالی۔ حضور نے کچھ جلالی انداز میں فرمایا 'ہوش سے'۔

---

[1] حضور نقش لاثانی علیہ الرحمہ اس الیکشن میں حصہ محض عبادت سمجھ کر لے رہے تھے لہٰذا اسے قم پر احسان نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ کے بندوں کا شیوہ ہے (لا نرید منکم جزاء ولا شکوراO (الدھر۔۸)

[2] یہ ہے دین اسلام سے اخلاص اور اس کے مفاد سے دلچسپی یقیناً پاکستان انھیں نفوس قدسیہ کی برکت سے معرض وجود میں آیا۔

اسی جگہ کا واقعہ ہے کہ باہر ووٹروں میں حد فاصل قائم کرنے کے لئے ایک لمبی رسی لگادی گئی تھی۔ مسلم لیگ کے ووٹر ایک طرف اور دوسرے دوسری جانب۔ گمٹالہ اگرچہ دوسری پارٹی کا مرکز تھا مگر یہاں ابھی دیو بندیت کا وہ طوفان برپا نہیں ہوا تھا جو بعد میں ہوا۔ یعنی ابھی یہاں حافظ خیر محمد اور مولانا محمد شفیع علیہا الرحمتہ کے اثرات بھی موجود تھے اور پھر باقی علاقہ تو اس وبا سے قطعاً محفوظ تھا۔ لہٰذا قوم کی آزادی کے طلبگار غلامی کے شائقین کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے چنانچہ جب انگریز پسندوں کے ووٹ جلد ہی ختم ہو گئے تو چودھری سلطان علی کے ایک عزیز نے دوسری طرف سے کچھ ووٹروں کو اپنی طرف بلایا۔ حاجی مقبول احمد صاحب نے مسلمان پولیس انسپکٹر سے جو باہر متعین تھا شکایت کی تو اس نے اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجرم کو سخت ڈانٹ پلائی اور آئندہ کے لئے تنبیہ کر دی (کاش آج کی پولیس میں بھی کچھ نہ کچھ اسلام اور پاکستان کی غیرت آجائے)

چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ چودھری عبد الرحیم کی طرف سے کھانے کا عموماً بڑا وسیع انتظام ہوتا تھا۔ عوام بھی اس دعوت کو قبول فرما لیتے مگر بعد میں جلسہ مسلم لیگ کا سنتے۔ ایک دو مقام ہمارے جلسے میں اس نے شور مچانے کی کوشش بھی کی، احباب کو غصہ بھی آیا مگر حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے بڑی نرمی سے اسے خاموش کر دیا۔ نریال میں اسے اصرار تھا کہ مجھے بھی یہاں تقریر کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ حضور نے فرمایا۔ جن کا جلسہ ہے، وہ تقریر کریں۔ تم اپنے جلسے کا خود اہتمام کرو۔ اور جس سے چاہو تقریر کراؤ یا کرو۔ موضع 'کلہ' میں اس کے انداز میں زیادہ جارحیت تھی۔ یہاں بھی اسے حسن سلوک سے ٹھنڈا کیا گیا (کہتے ہیں اس کے نازیبا رویے پر ایک برادر طریقت تو اسے وہیں ختم کرنے پر تل گیا تھا مگر حضور نے بلند حوصلگی اور بصیرت سے معاملہ رفع دفع کر دیا۔)

موضع گمٹالہ میں صبح سویرے مختلف دیہات سے لوگ فوج درفوج آرہے تھے تو عجیب سماں تھا۔ حاجی محمد شفیع بوعوی کے بیان کے مطابق لوگ بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور نعت شریف پڑھتے آتے اور یوں جیسے کسی جہاد پر سرفروشی کے جذبات سے سرشار جارہے ہوں۔ حقیقت میں بھی مسلم لیگ اور کانگرس کا یہ معرکہ اسلام و کفر کی جنگ ہی تو تھی۔ یعنی جو اسلام کا خواہاں ہے مسلم لیگ کا حامی، جو کفر کا طالب کانگرس یا انگریز کی حمایت کرے۔ یہ بھی سنا ہے کہ اسلام کے سپاہی کسی متوقع تصادم کے پیش نظر ہر قسم کے خطرے کے مقابلے کے لئے بھی تیار ہو کر گئے تھے۔ (کلمہ طیبہ کا ورد، نعت شریف کا نغمہ، نعرہ بازی کا شور ہر پولنگ اسٹیشن پر ہوتا ہوگا) آخری پولنگ اسٹیشن موضع لیسر (اب تھانہ) تھا۔ یہاں بھی مسلم لیگ بہت بھاری اکثریت سے فتحیاب ہوئی۔

قلعہ احمد آباد کو روانگی: لیسر سے فارغ ہو کر رات کو رات سفر شکر گڑھ اور وہیں سے صبح قلعہ سوبھا سنگھ جسے اب قلعہ احمد آباد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے پہنچ گئے۔ علی پور سیداں کے ووٹرز کو وہیں ووٹ ڈالنا تھا۔ چنانچہ حضور نے دربار شریف سے بھی جملہ درویشوں کو بلا لیا اور بڑے اہتمام سے ووٹ ڈالا اور دوسروں سے ڈلوایا۔

حضور کی ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں جگہ مسلم لیگ کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ عبد الغفور قمر نے بعد میں بے وفائی کی اور انگریزوں سے مل گیا۔ مگر مرد کامل کی برکت دیکھئے علاقہ شکر گڑھ اپنی باقی سارے ضلع گورداسپور سے کٹ کر پاکستان کی آغوش میں آگیا (حالانکہ باقی ضلع میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر مونٹ بیٹن وغیرہ کی چال وہاں تو کامیاب ہوگئی، شکر گڑھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا)

......☆......

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد دی

سعید ملت، نازش اہلسنت علامہ سعید محمد عامر حسینی آسیوی

بحمدہ تعالیٰ ماہ میلاد یعنی ربیع الاول شریف جاری وساری ہے اور اہل ایمان اپنی تمام تر کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جشن میلاد منانے میں مصروف ہیں۔ چھوٹا ہے یا بڑا' بچہ ہے یا بوڑھا' مرد ہے یا عورت، امیر ہے یا غریب ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں میلاد نبی کی خوشیاں منانے میں مصروف ہے

خوشیاں سبھی مناؤ سرکار آ گئے ہیں

دکھ درد بھول جاؤ سرکار آ گئے ہیں (حضور مفکر اسلام)

اور دل کیوں نہ خوشی میں ڈوب ڈوب جائیں کہ یہ ماہ طیبہ اس عظیم الشان اور رفیع الدرجات شخصیت کی تشریف آوری کا ہے جو اللہ کے حبیب اور کائنات کی بنائے محکم ہیں، جو اقلیم ہستی کے سلطان معظم اور بزم گیتی کے صدر محتشم ہیں' جو عرصہ ایجاد کے شہسوار یکتا اور لاشریک رب کے مظہر بے ہمتا ہیں۔ جو سراپا رحمت' سراپا عظمت' سراپا رفعتِ، سراپا شوکت، سراپا صداقت، سراپا طہارت، سراپا نفاست، سراپا حسن، سراپا احسان، سراپا نور، نور علیٰ نور وجہ ظہور، اصل سرور، شافع یوم النشور، مالک حور وقصور، دافع شرور، حاصل کشت وجود، رونق محفل شہود ہیں، یعنی مقصودنا ومطلوبنا، سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہیں۔

تو پھر واقعی ربیع الاول شریف کیوں نہ دل کو سرور، جان کو قرار، روح کو سکون اور فکر کو نور بخشے۔

اے چاند ربیع الاول کے، تو آیا رحمت لایا ہے
کونین منور جس سے ہوئے، وہ نور ہدایت لایا ہے
نبیوں نے پڑھا کلمہ جس کا، وہ ماہ رسالت لایا ہے
اسلام مکمل جس سے ہوا ، وہ مہر نبوت لایا ہے
سبحان اللہ سبحان اللہ اے چاند ربیع الاول کے (ارمان اکبر آبادی)

شمس العارفین، بدر الکاملین، مقدام العلماء، تاج العرفا، حضور مفکر اسلام اعلیٰحضرت پروفیسر محمد حسین آسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال (۸۔اگست ۲۰۰۶ء) کے بعد یہ پہلا ماہ ربیع الاول تھا جسے شیران اسلام نے آپ کے عطا کردہ ذوق میلاد سے سرشار ہو کر منایا اور خوب منایا، چنانچہ جونہی اس ماہ طیبہ کا چاند طلوع ہوا' آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے 'میلاد دی' میدان میں آئے نقش لاثانی نگر شکر گڑھ میں حضور مفکر اسلام علیہ الرحمۃ کے مزار شریف کے پاس ماہتاب ربیع الاول کی زیارت کے لئے ایک جم غفیر موجود تھا۔ اور جونہی یہ نظر آیا نعرہ ہائے تکبیر ورسالت اور سرکار کی آمد مرحبا سے فضا گونج اٹھی۔ ایک دوسرے کو مبارکبادیں دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی اور ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہواؤں نے اس ماہ مقدس کا استقبال کیا

۔یہ ہجوم عاشقاں مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد بیک زباں جھوم جھوم کر کہہ رہا تھا

ماہ ربیع الاول آیا سب کو عید مبارک ہو

رب نے سب کا بخت جگایا سب کو عید مبارک ہو

پھر قافلہ سالار قافلہ جناب افتخار احمد ممنون آسوی حسینی کی زیر قیادت آستانہ عالیہ حضور مفکر اسلام علیہ الرحمتہ، صاحبزادہ والا شان، جانشین مفکر اسلام، پیکر اخلاص وتقویٰ جناب محمد عطاالحق حسینی نقشبندی آسوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آستانہ عالیہ تا مزار شریف خوبصورت لائٹنگ کا انتظام تھا۔ نیز جھنڈیاں اور دیگر سجاوٹیں آستانے کے حسن کو دوبالا کر رہی تھیں۔ یہاں سلامی دینے کے بعد نقش لا ثانی نگر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں بصورت جلوس سب گھومے اور سرکار دو جہاں ﷺ کی آمد آمد کے نعرے لگائے۔ پھر مزار حضور مفکر اسلام پہ حاضر ہوئے اور خوبصورت اور پر جوش قسم کی محفل میلاد ہوئی جس میں ہر ایک کا جوش وخروش اور جذبہ دیدنی تھا۔ اور خوشی سے سب کے چہرے دمک رہے تھے۔ دربار شریف پر محفل شریف زیر صدارت پیر طریقت، رہبر شریعت حضور قبلہ صاحبزادہ محمد عطاء الحق اور مہمان خصوصی پیکر شرافت جناب مقصود حسین قادری مدظلہ العالی (کراچی) تھے۔

یاد رہے کہ حضور مفکر اسلام اس مہینے میں بکثرت محافل میلاد کا انعقاد کرواتے تھے۔ شکر گڑھ' نارووال' ڈسکہ' سیالکوٹ' شیخو پورہ' لاہور' راولپنڈی' اسلام آباد' بہاولپور اور دیگر شہروں میں خوبصورت تقریبات ہوتی تھیں۔ صرف شکر گڑھ میں اکثر ان کی محافل تعداد **100** سے تجاوز کر جاتی۔ ڈسکہ اور سیالکوٹ میں بارہ روزہ بڑی اور باوقار محافل منعقد کی جاتی تھیں۔ دیگر اس کے علاوہ ہیں۔ اس مرتبہ بھی شیران اسلام جو آپ کی تبلیغی فیضان کی قاسم ہے نے بہترین پروگرام ترتیب دیئے۔ تیس روزہ محافل میلاد کا پروگرام مرتب کیا۔ شیران اسلام کے ایک نوجوان جناب سید محمد امین شاہ صاحب نے جو تیس روزہ محافل کا آغاز خانو وال سے کیا وہ اس کے علاوہ تھیں۔ چنانچہ صرف **12**۔ ربیع الاول شریف تک نوجوانانِ شیران اسلام **40** سے زیادہ محافل منعقد کرا چکے ہیں اور امید واثق ہے کہ پورے مہینے کے اختتام تک یہ تعداد **100** سے کافی اوپر جا چکی ہوگی۔

یہاں ایک واقعہ نہایت قابل غور ہے۔ نوجوانوں نے جگہ جگہ "جشن آمد رسول مبارک ہو" تحریر کیا اور سٹکر لگائے۔ شکر گڑھ کی ایک دیوبندیوں کی مسجد کی دیوار پر بھی یہ تحریر ہوا۔ دیوبندی مولوی تھانے پہنچ گئے اور بیان دیا کہ "سنیوں نے ہماری مسجد پر نازیبا کلمات لکھے ہیں" یعنی ان بے ایمانوں کے نزدیک جشن آمد رسول ﷺ کی مبارکباد کے الفاظ نازیبا کلمات ہیں۔ قربان جائیں مجسمہ غیرت وحمیت جانشین حضور مفکر اسلام پر جو خود چل کر تھانے گئے اور فرمایا کہ اگر دیوبندیوں کی ڈکشنری میں یہ نازیبا کلمات ہیں تو زیبا کلمات کون سے ہیں۔ سچ پوچھیں تو مومن ومنافق کے درمیان فیصلہ یہیں ہو جاتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو سرکار ﷺ کی آمد آمد پہ خوش ہے اور جابجا مبارکباد کے کلمات بولتا اور لکھتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس کے لئے سرور دو جہاں ﷺ کی آمد کا مہینہ عام مہینوں کی طرح ہے، اور اگر کوئی اسے جشن آمد رسول مبارک کہہ دے تو غصے سے لال پیلا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے سزا دلوانا چاہتا ہے۔ فیصلہ بالکل آسان ہے بشرطیکہ ایمان ہو۔ کہ لفظ مومن کس پہ صادق آتا ہے اور لفظ منافق کس پہ۔ بہر حال مخالفین میلاد کی خوب سبکی ہوئی اور انہیں ہزیمت وشرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ پنڈی سینیاں میں حافظ محمد عمران آسوی نے اہل علاقہ کو اکٹھا کر کے نبی پاک ﷺ کی محبت میں جلوس میلاد نکالنے کا پروگرام بنایا۔ مکتبہ اہلحدیث سے تعلق رکھنے والوں نے دھمکی دے دی کہ ہم جلوس نہیں نکالنے دیں گے،

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فوج کے اس ادنیٰ سپاہی اور اس کے ساتھیوں نے للکارا کہ سرکار دو عالم ﷺ سے محبت والفت اور تشریف آوری کی خوشی کے اظہار کے لئے جلوس ضرور نکلے گا۔ اگر اس 'جرم' کی پاداش میں گولی بھی کھانا پڑے تو ہرگز انکار وفرار نہیں، چنانچہ بڑی دھوم دھام سے عظیم الشان جلوس نکلا۔ لوگوں نے بھر پور شرکت کی۔ پر جوش تقاریر ہوئیں۔ نعت خوانی ہوئی اور خوشی کے اظہار کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا گیا یہاں بھی گستاخان ذکر رسول اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

پھر بارہ ربیع الاول شریف کا مقدس دن بھی آگیا۔ یہ وہ دن ہے جس کی ایک دلآویز صبح وہ صبح جاں نواز و جہاں آرا تھی جس کی تمنا میں آفتاب و ماہتاب نے لاکھوں کروڑوں برس صرف کر دیئے تھے۔ آسمان کے ان گنت ستارے جس کے لئے مدت ہائے دراز سے چشم براہ تھے۔ اس دن وہ عظیم المرتبت نور خدا اس ظلمت کدہ عالم میں جلوہ گر ہوا جس کے چہرہ زیبا کی زیارت کیلئے عالم قدس کے نفوس قدسیہ نہ جانے کب سے بے تاب چلے آرہے تھے۔ آج وہ آگیا تھا۔ جس کی خاطر خالق کائنات نے بزم ہستی کو سنوارا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں، جس کی رعنائیاں، عشق کی جدت طرازیاں، بہار کی دلفریبیاں، ابروباد کی ترنم خیزیاں، شبنم کی اشک ریزیاں، آفتاب کی شعلہ باریاں، مہتاب کی نور افروزیاں، کہکشاں کی ضیاء پاشیاں، فرشتوں کی کرشمہ سازیاں، حوروں کی عشوہ فرمائیاں پھولوں کی عطر افشانیاں، بلبل کی آہ وزاریاں، مرغان سحر کی زمزمہ سنجیاں، صفوت آدم، معرفت شیث، شجاعت نوح، حلم ابرہیم، لسان اسمٰعیل، رضائے اسحٰق، فصاحت صالح، رفعت ادریس، حکمت لقمان، بشارت یعقوب، جمال یوسف، صبر ایوب، قوت موسیٰ، تسبیح یونس، جہاد یوشع، نغمہ داؤد، ہیبت سلیمان، حب دانیال، وقار الیاس۔ عصمت یحیٰی، قبول زکریا، زہد عیسیٰ اور علم خضر (علیہم الصلوٰۃ والسلام) یہ سب نقش ونگار اور متاع ہائے گراں قدر اسی لئے تو تھے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کے دربار گوہر بار میں کام آئیں گے۔ کائنات عالم کی تمام رعنائیاں اور رنگینیاں انہی کے رخ انور کا شاہکار ہیں۔

نگاہوں میں دلوں میں لالہ زاروں میں ستاروں میں
تمہی تم ہو، تمہی تم ہو، تمہی تم ہو، تمہی تم ہو
یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی امید کی خاطر
یہ ساری کاوشیں تھیں اک صبح عید کی خاطر
مشیت تھی کہ یہ سب کچھ تہ افلاک ہونا تھا
کہ سب کچھ ایک دن نذر شہ لولاک ہونا تھا

ہاں، ہاں! آج وہ روح پرور اور روح افزا عید میلاد النبی ﷺ تھی جب

بصد انداز یکتائی، بغایت شان زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

۱۲ ربیع الاول کو صبح سویرے ہی لوگ نقش لاثانی اسلامک یونیورسٹی میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہاں سے عشق و مستی میں ڈوب کر نعتیں پڑھتے ہوئے روانگی ہوئی۔

جامع مسجد نور سے بھی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ شامل ہوگئی۔ پھر مزار بابا نور الدین علیہ الرحمۃ سے ہوتا ہوا درمان چوک پر جلوس پہنچا۔ جہاں علامہ غلام مصطفیٰ مجددی، اور سنی تحریک کے دیگر افراد کی تقاریر ہوئیں۔ بعد ازاں جلوس مرکزی میلاد چوک پہنچا جہاں شیران اسلام کے امیر جناب شجاعت علی مجاہد، ناظم اعلیٰ جناب خواجہ ناصر رحمانی، مولانا محمد افضل قادری کے نہایت ایمان افروز بیانات ہوئے۔ یہاں عوام کا جوش و جذبہ نہایت قابل ستائش تھا اور انہوں نے دل کھول کر داد دی اور سرکار دو عالم ﷺ کی آمد کے نعرے لگائے۔ مزار بابا قطب شاہ ولی علیہ الرحمۃ اور دین پور سے واپس آکر مسجد نور میں ہی اس کا اختتام ہوا۔

جامع مسجد خاتون جنت رضی اللہ عنہ میں بھی حسب سابق عید میلاد کی محفل ہوئی۔ یوں صبح تا شام عشاق مصطفیٰ نے بہت مصروف دن گزارا اور عید میلاد النبی کی تقریبات میں پر جوش شرکت کی۔

بحمدہ تعالیٰ شیران اسلام محافل میلاد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے اور اس مہینے کے آخر تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کھتے ھیں آثار یہ سیٹ اپ بدلے گا

کہتے ہیں آثار یہ سیٹ اپ بدلے گا
وقت کی ہے للکار یہ سیٹ اپ بدلے گا

چھٹنے لگے ظلمات کے سائے دنیا سے
کہتے ہیں انوار یہ سیٹ اپ بدلے گا

ظلم کی نیا جلدی ڈوبنے والی ہے
آگے ہے منجدھار یہ سیٹ اپ بدلے گا

قہر خدا تم پہ ٹوٹنے والا ہے
سن لے ہر غدار یہ سیٹ اپ بدلے گا

چھٹنے لگے ظلمات کے سائے پے در پے
چھانے لگے انوار یہ سیٹ اپ بدلے گا

راز و قضاء و قدر کے تو کیا جان سکے
اے عقل بیکار یہ سیٹ اپ بدلے گا

قوم کے دشمن قوم کے جوتے کھائیں گے
وہ بھی سر بازار یہ سیٹ اپ بدلے گا

اپنے تاج و تخت پہ اتنا ناز نہ کر
سن او نا ہنجار یہ سیٹ اپ بدلے گا

آئیں گی حالات میں پھر اب تبدیلی
ہاں چارو و ناچار یہ سیٹ اپ بدلے گا

نقش لاثانی سے پوچھا آسی نے
بول اٹھے سرکار یہ سیٹ اپ بدلے گا

(حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ)
(٦ اگست 2006)

Monthly
Mujallah
AL-HAQIQA
MAY 2007
Reg. No. C.P.L 168

جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانیت کی جان بچائی (القرآن)